Title – MASNAVI GULZAR NASEEM

Creator – Daya Shankar Naseem; Murattib Fida Ali Khanjar Lucknavi

Publisher – Naami Press (Lucknow).

Date – 1929

Pages – 72

Subjects – Masnaviyaat; Urdu Shayari -viyaat

مثنوی

گلزار نسیم

مع مقدمہ و مختصر حالات

از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی

باہتمام

قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

دسمبر ۱۹۲۸ء

مقدمہ

منشی دیا شنکر نسیم لکھنوی کشمیری پنڈت اور عہد شاہی میں فوج کی منصری پر سرفراز تھے جو اُس عہد میں نہایت معزز عہدہ خیال کیا جاتا تھا سخن پرستی کا دور دورہ تھا آتش و ناسخ کی شاعری کے سکے جاری تھے - دونوں استادوں کے جوان سال و جولان طبیعت تلامذہ وزیر - صبا - رند - خلیل وغیرہ کی طبع آزمائیاں چمنستان سخن میں گل کاریاں کر رہی تھیں - پنڈت جی طبعی ذوق رکھتے تھے - اور خواجہ آتش کے کہنہ مشق شاگردوں میں تھے - جملہ اصناف سخن میں بے تکلف جودت طبع کے جوہر چمکاتے تھے لیکن اس جگہ شاعری کی دوسری صنفوں میں بحث کرنا منظور نہیں ہم صرف اُنکی مشہور و معروف تصنیف گلزار نسیم کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

یہ مثنوی (گلزار نسیم) محمد علی شاہ کے زمانہ میں تصنیف کی گئی سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ ہے اور مثنوی کے آخر میں پنڈت جی کی تصنیف کی ہوئی تاریخ مرقوم ہے ؎ ایں نامہ کہ خامہ کرد بنیاد + گلزار نسیم نام بنہاد + بشنید و نوید ہاتفے داد + توقیع قبول روز بنیش باد ۱۲۵۴ھ اسمیں بالکل کلام نہیں کہ مثنوی اپنے رنگ میں لاجواب ہے اور میر حسن کی مثنوی کے بعد جو شہرت جو مقبولیت اس مثنوی کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی اختصار کی جمیل خوبی کے علاوہ صنائع و بدائع اور صنعت مراۃ النظیر نے ہر بیت کو دلہن کی طرح سجا دیا ہے لطف یہ کہ جتنی مرتبہ جتنے غور سے پڑھا جائے ذائقہ سخن بڑھتا جاتا ہے اور جب ذہن اسکے دقائق اور نزاکت فن تک پہونچتا ہے تو وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایسی ایسی لطیف استعارے اور نازک خیالی کے نمونے موجود ہیں جو اردو شاعری کی انتہا ترقی کی خبر دیتے ہیں اگر اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے گلزار نسیم پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو اسمیں ترقی یافتہ شاعری کے بہت سے ارکان مکمل دکھائی دیتے ہیں۔ اختصار پر تو اس مثنوی کی بنیاد ہی رکھی گئی ہے اور یہ التزام اول سے آخر تک قائم ہے نازک خیالی اور جودت طبع کے نمونے بھی جا بجا جواہر ریزوں کی طرح ضو فشانی کر رہے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری کی ابتدا سے فارسی کی تتبع ہے اسلئے شعرا کی تصنیفات حمد و نعت سے شروع ہوتی ہیں اور یہ طریقہ مسلمانوں ہی میں رائج نہیں بلکہ اہل ہنود بھی اس اصول کے پابند ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم نے بھی اپنی مثنوی میں ان امور کی پابندی کی ہے اور نہایت اختصار کیساتھ محض چار بیتوں میں اس وسیع میدان کو طے کر گئے ہیں۔ خوبی یہ ہے کہ نام کی رعایت سے بہاریہ مضامین کیساتھ تمہید و تحمید کو دست و گریبان کر دیا ہے جو انکی مشاقی اور قدرت سخنی پر دال ہے ؎ ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری + ثمرہ ہے قلم کا حمد باری + کرتا ہے یہ دو زبان سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر + پانچ انگلیوں سے یہ حرف زن ہیں + یعنی کہ مطیع پنجتن ہیں + ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی + کرتا ہے زبان کی پیش دستی چاروں بیتوں میں سلسلۂ بیان۔ تدارج خیالات۔ تناسب لفظی۔ لطف زبان۔ جذبِ تخیل۔ جودت ذہن۔ اور نزاکت فن کیساتھ ساتھ صنائع و بدائع شعری کافی حد تک موجود ہیں۔

ٹ لیتے تھے) چنانچہ پنڈت جی مثنوی سے آگئے اور انتخاب کیا تو ایسا کہ عطر نچوڑ لیا ۱۲

جسطرح اصولاً آغاز میں حمد و نعت لازم و ملزوم ہے اسیطرح مناجات بھی ضروری چیز خیال کیجاتی تھی یہ دستور محض ایشیا کے شعرا میں محدود نہیں رہا بلکہ مغربی شاعروں کی بھی بعض تصانیف میں مناجات جزو اعظم بنگئی ہے۔ نسیم نے بھی گلزار نسیم میں حمد و نعت کے بعد مناجاتیہ اشعار نظم کئے ہیں۔ اور محاورات کی پختگی۔ بلاغت اور زبان کی کافی و وافی شہادت دیتی ہے لیکن اختصار کی چھری نے تیسرے اور پانچویں شعر میں تسلسل کے سلسلے کو قطع کر دیا ہے جس پڑھتے وقت نگاہ کو ٹھوکر لگتی ہے۔[۵]

یارب مرے خامہ کو زبان دے + منقار ہزار داستان دے + افسانۂ گل بکاولی کا + افسوں ہو بہار عاشقی کا + ہر چند سنا گیا ہے اُس کو +
اُردو کی زبان میں سخنگو + وہ نثر تھا اُو نظم دوں میں + اس مُو کو دو آتشہ کروں میں + ہر چند جو اگلے اہل فن تھے + سلطان قلمرو سخن تھے +
آگے انکے فروغ پانا + سورج کو چراغ ہے دکھانا + پر بحر سخن سدا ہے باقی + دریا نہیں کار بند ساقی + طعنہ سے زبان نکتہ چیں روک +
رکھ لی مری اہل خامہ میں نوک + خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر + نیرنگ نسیم باغ کشمیر + نقطہ ہوں سویدا خوش بیانی + جدول ہو حصار سحر خوانی
جو نقطہ لکھوں ہو کہیں حرف آگے + مرکز پہ کشش ہے پہنچ جائے۔

اب کچھ مثالیں رمز و کنایہ کی دکھائی جاتی ہیں جس موقع پر اشارات کی پختگی کے ساتھ خیالات میں ترنگی اور طرز بیان میں عجیب شوخی قابل داد ہے۔ عاشق و معشوق کی ذہانت و طباعی اور صنعت مکالمہ کے ساتھ تشبیہ و استعارہ اور محاورات کی خوبیاں اپنا حق ادا کر رہی ہیں ۔

جب وہ صبح ہو گیا فاش   خنداں ہوا اٹھا وہ شاباش   اُس غنچہ دہن کا مسکرانا   بے رنگ بکاولی نے جانا   منہ تو ہنسکے کہا ہنسی کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں   بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا   آتش کیا خواب دیکھتا تھا   بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر   دلسوزی کریگا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں   خورشید تھا آتش شفق میں   بولی وہ کہ مہرباں تپ روز   عالم میں ہے گرم رونق افروز   بولا وہ اک مقام ہو تھا۔
گلزار خلیل رہ برو تھا۔ بولی وہ بشر ہو تم دلاور   سرسبز ہو قوم آتشی پر   بولا کہ دیکھی اک شبستان   شعلہ ہوا انجمن تھی جہاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں   جو ناچ نچاؤ ناچتی ہوں   بولا وہ کہ جب ہوا اجالا   سمجھا مہ انجمن نے ہالا   ہالہ مہ انجمن کا کیا تھا
وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا   گھبرائی پری کہ ہیں کیا ہے   بولا وہ کہ ہار تو لکھا ہے   کہا اندھی تھی جسکے رات لالا   پہچانتی ہو وہ شعلہ والا،

محاورات ضرب الامثال کی بھی کمی نہیں نسیم کے کلام کی مقبولیت اس حد تک پہنچگئی ہے کہ مثنوی کے اشعار ضرب المثل کے موقع پر گوشزد ہوتے ہیں، شعر سے مفرد ہو رہا ہے   تقدیر کے لکھے دابا ہے دامن   کیا لطف جو غیر پردہ کھولے   جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

گلزار نسیم میں سب سے بہتر خوبی یہ ہے کہ وہ اول سے آخر تک ایک رنگ میں شرابور ہے جو روش شروع میں اختیار کی گئی وہ آخر تک قائم ہے سب سے پہلے اختصار کو لیجئے۔ اسکی نسبت ہواخواہان نسیم کا بہت درست دعویٰ ہے کہ کسی جگہ سے اگر ایک بیت بھی کم کر دیجائے تو قصہ کا تسلسل قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نہیں تناسب لفظی کی حالت ہے کہ مثنوی کی ہر بیت چوتھی کی دلہن معلوم ہوتی ہے۔ تلاش کرنیوالی نگاہیں بڑی چھان بین کے بعد سادی سے سادی بیت بھی نکالیں تو اسمیں صنعتوں کی

---

[۵] حقیقتاً پہلے نثر میں تصنیف ہوا تھا پنڈت دیا شنکر نسیم نے نظم کا خلعت عطا کر کے ۔

جھلک جگمگاتی دکھائی دے شعلا سے ہاتھ اُس پہ اگر پڑا نہیں ہے ۔ بو ہو کے تو گل اڑا نہیں ہے

خیالات کو تشبیہ و استعارات کی صورت میں بیان کرنا شاعری کی آخری منزل اور معراج کمال ہے اور یہ فخر گلزار نسیم کو کما حقہٗ حاصل ہے۔ اسکے تمام مطالب اسی پیرایہ میں ادا ہوئے ہیں۔ فراق و وصال کے مناظر جنکی بنیاد ہی محض جذبات و حسیات قلبیہ پر منحصر ہوتی ہے صنائع و بدائع کے محتاج نہیں انکو جسقدر سادگی سے بیان کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے لیکن نسیم نے اپنا رنگ قائم رکھتے ہوئے معاملہ بندی میں بھی تناسب لفظی کو بدستور قائم رکھا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان موقعوں پر انکے سحر طراز قلم نے پورا جادو کر دکھایا ہے۔ ایک جگہ دل کی تصویر اُتار نہیں یوں نازک خیالی دکھائی ہے ؎

کاوش پہ ہوا اگر سو الماس ۔ شعلے نے بجھائی آگ کی پیاس ۔ پتھر ہجر کا دل گداز مرقع کھینچنے میں جو الفاظ اور خیالات صرف کئے ہیں انمیں مرصع کاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے ؎ صورت میں خیال رہ گئی وہ + ہیئت میں مثال رہ گئی وہ

جذبات رنج و غم اور غیظ و غضب کا منظر اس مثنوی (گلزار نسیم) کی جان ہے۔ جب بکاؤلی کا پھول چوری گیا ہے اور اسنے غصہ کی حالت میں لونڈیوں باندیوں اور باغ کے محافظوں کو عتاب آمیز عنوان سے مخاطب کیا ہے ایک ایسا نقشہ ہے جسمیں قیامت کی چلتی ہوئی تصویریں تصنع کے زیورات سے لدی پھندی دکھائی دیتی ہیں چونکہ جن چیزوں کے نام چمن سے مناسبت رکھتے ہیں اسلئے تلازمہ کی دلکش شان پیدا ہو گئی ہے اور شاعر نے فصاحت و بلاغت کی گل افشانی کرتے ہوئے زور بیان کی داد دی ہے ؎

سنبل مرا تازیانہ لانا   شمشاد سے سولی پر چڑھانا   نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زباں درازیاں کیں   بتا بھی بتا کو جب نہ پایا   کہنے لگیں کیا ہوا خدایا   اپنوں میں سے بھول گیا کون   بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا   اوپر کا تھا کون آنیوالا   او باد صبا ہوا نہ بتلا   خوشبو ہی سونگھا بتا نہ بتلا   انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بخود اسکی سنکے فریاد ۔

اس قسم کی مثالوں سے مثنوی کا دامن بھرا ہوا ہے۔ ادائے مطالب کی جلوہ گری آپ اپنی نظیر ہے۔ زبان کی عمدگی۔ محاورات کی خوبی۔ صنائع و بدائع اور محاسن شعری کی دلکش سلاست بیان اور فصاحت نظم چستی بندش حسن تخیل سب ہی کچھ موجود ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ حسن فطری کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا گویا ابتدا سے انتہا تک آورد ہی آورد ہے ۔ پنڈت جی کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ ممکن تھا کہ وہ کوئی اور مثنوی لکھ کے اس کمی کو پورا کر دیتے۔ اُنھوں نے اپنے استاد (آتش) کے سامنے سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا اور "گلزار نسیم" اپنی یادگار چھوڑی جو اردو زبان کی بقا اور موجودگی تک سدا بہار بنی رہیگی "

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

پنڈت جی تنوی ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر
حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی کہ مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
کرتا ہے زبان کی پیش دستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کیواسطے

یارب مرے خامے کو زباں دے
منقار ہزار داستاں دے
افسانۂ گل بکاؤلی کا
افسوں ہو بہار عاشقی کا
ہر چند سنا گیا ہے اس کو
اردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں
اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہر چند اگلے جو اہل فن تھے
سلطان قلم و سخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا
سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر سحر سخن سدا ہے باقی
دریا نہیں کاربند ساقی
طعنے سے زبان نکتہ چیں روک
رکھ لے مری اہل خامہ میں نوک
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر
نیرنگ نسیم باغ کشمیر
نقطے ہوں سپید خوش بیانی
جدول ہو حصار سحر خوانی
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے
ہرگز نہ کشش مری ہو بیجا رے

داستان تاج الملوک شاہزادہ اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زبان پاستانی
یوں نقل ہے خامے کی زبانی
پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک ذی جاہ
لشکر کش و تاجدار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ
خالق نے دیے تھے چار فرزند
دانا عاقل ذکی خردمند

نقشہ ایک اور نے جمایا — پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا
امید کے نخل نے دیا بار — خورشید حمل ہوا نمودار
وہ نور کے صدقے مہر انور — وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر
نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو — چشمک تھی نصیب اس پدر کو
خوش ہوتے ہی طفل مہ جبیں سے — ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھا اسی کو — پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفل ابتر — مانند سرشک دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا — پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
تھا افسر خسروان وہ گلفام — پالا تاج الملوک رکھ نام
جب نام خدا جواں ہوا وہ — مانند نظر رواں ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ — نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی — بینائی کے چہرے پر نظر کی
مہر لب شہ ہوئی خموشی — کی نور بصر سے چشم پوشی
دی آنکھ جو شہ نے رونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
ہر چند کہ بادشہ نے ٹالا — اس ماہ کو شہر سے نکالا
گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور — خارج ہوا نور دیدۂ کور
آیا کوئی لے کے نسخۂ نور — لایا کوئی جا کے سرمۂ طور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے — مختار ہے جس طرح جو چاہے

جانا چاروں طرف شاہزادوں کا بتجویز کحال تلاش گل بکاؤلی کو

پایا جو سفید چشم صفحا — یوں میل قلم نے سرمہ کھینچا
تھا ایک کحال پیر دیریں — جیسے کی تھیں اس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مرد خدا بہت کراہا — سلطان سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاؤلی میں اک گل	پلکوں سے اُسی پہ مار جھنگل
خورشید میں یہ ضیا کرن کی	ہے مہر گیا اُسی چمن کی
اُسنے تو گل ارم بتایا	لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا
شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار	رخصت کیے شہ نے چار ناچار
شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ	لشکر اسباب خیمے خرگاہ
وہ بادیہ گرد خانہ برباد	یعنی تاج الملوک ناشاد
میدان میں خاک اُڑا رہا تھا	دیکھا تو وہ لشکر آرہا تھا
پوچھا تم لوگ خیل کے خیل	جاتے ہو کدھر کو صورت سیل
بولا لشکر کا اک سپاہی	جاتی ہے ارم کو فوج شاہی
سُلطان زین الملوک شہزور	دیدار پسر سے ہو گیا کور
منظور علاج روشنی ہے	مطلوب گل بکاؤلی ہے
گل کی جو خبر سُنائی اُسکو	گلشن کی ہوا سمائی اُسکو
ہمرہ کسی لشکری کے ہوکر	قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں سے قلم کی مہرہ بازی	یوں لاتی ہے رنگ بد طرازی
یک چند پھرا کیا وہ انبوہ	صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بلبل ہوئے سبزہ زار جی سے	گل کا نہ پتا لگا کسی سے
وارد ہوئے اک جگہ سر شام	فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر	ٹھٹکے سیارے کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے	جویاے گل اُسطرف سدھارے
دلبر نام ایک بیسوا تھی	اُس ماہ کی واں دُجا مہ و زر
دروازے سے اُسکے فاصلے پہ گھر تھا	نقارہ چہ لوسوے دلبر آیا
بیجا و بجا نہ سمجھے انجان	نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

آواز پہ وہ ملی ہوئی تھی
آپ آن کے ٹھاٹ دیکھتی تھی

جس شخص کو مالدار پاتی
باہر سے اُسے لگا کے لاتی

بٹھلا کے جوے کا ذکر اُٹھا کر
چوسر میں وہ لوٹتی سراسر

جیت اسکی بھی ہاتھ جو کچھ آتا
اُسکا کوئی شکستہ دانہ پاتا

بلی کا سر چراغدان تھا
چوہا پانسے کا پاسبان تھا

اُلٹاتی اڑی پہ قسمت آسا
بلی جو دیا تو نوش پاسا

جیتے ہوئے بندے تھے ہزاروں
قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں

صیادنی لائی پھانس کر صید
کرسی پہ بٹھائے نقش اُمید

گھاتیں ہوئیں دلربائیوں کی
باتیں ہوئیں آشنائیوں کی

رنگ اسکا جما تو لا کے چوسر
کھیلی وہ کھلاڑی بازی بدکر

وہ چھوٹ پہ تھی یہ میل سمجھے
بازی چوسر کی کھیل سمجھے

مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے
سامان ہارے تو سر پہ کھیلے

بدبختی سے آخری جو آتھا
بندا ہونا بدا ہوا تھا

دو ہاتھ میں چاروں اُسنے لوٹے
پنجے میں پھنسے تو چھکے چھوٹے

اک اک سے رات بھر نہ چھوٹا
پو پھٹتے ہی جگ اُٹھا لوٹا

زندان کو سب چلے مچل مچل کر
نردوں کی طرح پھرے نہ چلکر

لشکر میں سے جو گیا سوے شہر
پانی سا پھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بیسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاؤلی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے
یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے

جانا پیک رواں کا گرد لشکر
یعنے تاج الملوک ابتر

پایا جو سفید ہوا کہ یا الٰہی
لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی

تھا ایک کہاں تا لیجے چلکر
گزرا در باغ بیسوا پر

وہ مرد خدا بلند پایہ
نکلی اندر سے ایک دایہ

لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُسکا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو
جاتے تھے اُدھر سے دو جواری
کہتے تھے فریب دو کے گیا تم
ذکر اپنے برادروں کا سنکر
کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے
بولی وہ کہ ہاں جو ہے بدکام
بلّی پہ چراغ رکھ کے شب کو
پانسے کی ہو کل چراغ کے ساتھ
شہزادے کہیں کے تھے بد اقبال
بھائی تھے جوش خون کہاں جائے
پانسے کا چراغ کا اولٹ پھیر
سوچا وہ کہ اتنو ہم ہیں آگاہ
اک بلّی جو چھپٹی چوہے کو بھانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا
چوہا سرہی کے سکھنے کو یکسر
اک روز اُسے ملگیا امیر ایک
اشراف سمجھ کے لے گیا گھر
اُس سنگل کے جو ہاتھ میں زر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ

ہمشکل یہ سن لقا تھا اُسکا
فرزند اسی شکل کا تھا میرا
طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
مادر بھی مری بھی ایسی ہی پیر
گھر لائی رہنسی خوشی سے اسکو
اک ایک کی کر رہا تھا غواری
شہزادے نہ ہم نہ بیسوا تم
بولا وہ عزیز سُن تو مادر
شہزادوں کو جسنے بیچ کیا ہے
دلبر اک بیسوا ہے خود کام
چوسر میں وہ لوٹتی ہے سب کو
وہ بلّی کے سر پہ جو ہے کے ہاتھ
بندے ہوئے ہار کر زر و مال
صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
سو جھانہ اُٹھیں یہ دیکھو اندھیر
جیتے ہیں تو جیت لینگے ناگاہ
نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
بولا پکڑ آستین میں پالا
گھوما وہ برنگ زد گھر
وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
بخشا اُسے اسپ و جامہ و زر
جانبازی کو سوئے دلبر آیا
نقارہ و چوب میں چلی چوٹ

آواز وہ سن کے ور پہ آئی
ہمراہ اُسے لیکے اندر آئی

کام اُسکا تھا بسکہ کھیل کھیلنا
چوسر کا جما وہ کارخانہ

وہ چشم و چراغ بیسوا کے
کرنے لگے تاک جھانک آکے

نیولا وہ کہ بار آشنین تھا
جھٹکی کے بجانے ہی وہیں تھا

بلّی تو چراغ پا تھی خاموش
بل ہو گیا موش کو فراموش

ہنس ہنس کے حریف نے رُلایا
مانند چراغ اُسے جلایا

بارے بہزار بد دماغی
لی خضر نے غول سے چراغی؟

پانسے سے چلی نہ جعل سازی
اُجڑی وہ بسا بسا کے بازی

سب ہار کے نقد و جنس بارے
جیتے ہوئے بندے بد کے ہارے

بنیاد جو کچھ تھی جیب گنوائی
تب خود وہ کھلاڑ ٹھہرے آئی

پھر پانسے نے کی نہ پاسداری
ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری

پانسے کی بدی سے ہے آشکارا
راجہ نل سلطنت سے ہارا

دانا کرے کب اسطرف میل
ہارا ہے جوئے کے نام سے نل

بارے دیکھا جو بیسوا نے
بندہ کیا غیر کا خدا نے

سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے
شادی کا مزہ نکال رہیے

بولی بہزار عجز و زاری
تم جیتے میاں ہیں ہے ہاری

لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو
خدمت میں کرو قبول مجھکو

بولا وہ کہ سن یہ شیخی بد سے چھوڑ
نقارۂ در کو چوب سے توڑ

یہ مال یہ زر یہ جیتے بندے
یونہیں انھیں رکھ بجنس جیتے

بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
انشاء اللہ پھر آتے ہیں ہم

بولی وہ سنو تو بندہ پرور
گلزار ارم ہے پریوں کا گھر

انسان دیری کا سامنا کیا
مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا

شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر
کچھ بات نہیں جو رکھیے دلپر

انساں کی عقل اگر نہو گم ‏ / ہے چشم پری میں جا بے مردم

یہ کہہ کے اُٹھا کہا کہ لو جان ‏ / جاتے ہیں کہا خدا نگہبان

دولت تھی اگرچہ اختیاری ‏ / پا مردی سے اسپ لات ماری

جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ ‏ / جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ

درویش تھا بندۂ خدا وہ ‏ / اللہ کے نام پر چلا وہ

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لیکر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ ‏ / یوں حرف ہیں نقش پائے خامہ

وہ دامن دشت شوق کا خار ‏ / یعنے تاج الملوک دل زار

اک جنگلے میں جا پڑا جہاں گرد ‏ / صحرائے عدم بھی تھا جہاں گرد

سائے کو پتا نہ تھا شجر کا ‏ / عنقا تھا نام جانور کا

مرغان ہوا تھے ہوش راہی ‏ / نقش کف پا تھی ریگ ماہی

وہ دشت کہ جس میں ریگ ودو ‏ / یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو

ڈانڈا تھا ارم کے بادشا کا ‏ / اک دیو تھا پاسبان بلا کا

دانت اسکے گورکن قضا کے ‏ / دو سے تھے رہ عدم کے ناکے

سر پر پایا بلا کو اُس نے ‏ / تسلیم کیا قضا کو اُس نے

بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک ‏ / فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک

بے ریشہ یہ طفل نوجواں تھا ‏ / حلوا بے دود نے گماں تھا

بولا کہ چکھوں گا میں یہ انساں ‏ / اللہ اللہ شکر احساں

شہزادہ کہ منہ میں تھا اجل کے ‏ / اندیشے سے رہ گیا دہل کے

بل مارنے کی ہوئی جو دیری ‏ / سبحان اللہ شان تیری

اُشتر کئی جا لیے تھے اُدھر سے ‏ / پُر آرد و روغن و شکر سے

وہ دیو لپک کے مار لایا ‏ / غرّاتے ہوئے شکار لایا

اونٹوں کی جو لوتھیں ڈھو لایا ‏ / دم اسکا نہ اُس گھڑی سمایا

پورا کے وہیں وہ بار بردوش | بیٹھا تو گرا گرا تو بیہوش
چاہا اُس نے کہ مار ڈالو | یا بھاگ سکو تو راستہ لو
وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے | سب ٹھاٹھ تھے مہاجنوں کے
میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا | خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا
بیٹھا اس دیو کو کھلاؤ | گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو
حلوے کی پکا کے اک کڑاہی | شیرینی دیو کو چڑھائی
ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا | حلوے سے کیا منہ اسکا میٹھا
کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ | اے آدمی زاد واہ وا واہ
چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو | کیا اسکی عوض میں دوں میں تجھ کو
بولا وہ کہ پہلے قول دیجے | پھر میں جو کہوں قبول کیجے
وہ ہاتھ پہ اُسکے مار کر ہاتھ | بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ
بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے | بد عہدی کی کچھ نہیں سمجھی ہے
گلزار ارم کی ہے مجھے دھن | بولا کہ ارے بشر وہ گلبن
خورشید کے ہم نظر نہیں ہے | اندیشے کا واں گزر نہیں ہے
واں موج ہوا ہوا پہ اژدر | واں ریگ زمیں زمیں پہ اخگر
ہوتا نہ جو قول کا سہارا | بچتا نہ کہیں تو خیر ہارا
رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور | شاید تجھے اُس سے بن پڑے طور
اک ٹیکرے پر گیا بلایا | وہ مثل صدا کے تو وہ آیا
حال اُس سے کہا کہ قول ہارا | ہے پیر یہ نوجواں ہمارا
مشتاق ارم کی سیر کا ہے | کوشش کرو کام خیر کا ہے
حمالہ نام دیو کی ایک | چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک
خط اسکو لکھا بایں عبارت | اے خواہر مہربان سلامت
پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد | رکھیو اسے جس طرح مری یاد

انسان ہو چاہے کچھ جو سازش
خط لے کے بشر کو سے اڑا دیو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا
اُس دیو نی پاس اک حسین تھی
محمودہ نام دُختِ آدم
جوڑا ہمجنس کا ہاتھ آیا
دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ
تھے ضبط و حیا کے امتحان میں
آپس میں کھلے نہ شرم سے وہ
بولا وہ فسردہ دل سحرگاہ
بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
بولا وہ کبھی تو چاہتا ہوں
پیراہن گل کی بو تھی مطلوب
اول کبھی بد نگاہی اپنی
کھولی تھی زبان منہ اندھیرے
پوچھا جب تک لہ نے مہجان
بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم
ناکامی کے جب وہ طور بھی
پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے
بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن
وہ بولی جو تو کہے زباں سے
چھپ کر کو چھپا کے زیر چادر
باپ اسکا ہو اندھے پن سے مجھول

مہمان ہے کیجو نوازش،
پہونچا حمالہ پاس لے ریو
بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
زنبور کے گھر میں انگبیں تھی
لے آئی کبھی دیکھے دیونی دم
محمودہ سے کے گلے لگایا
دو وقت سے شام کو ملے وہ
پردہ رہا ماہ میں کتاں میں
خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
کیا سرد ہوا ہے واہ وا واہ
جو غنچے کو گل کرے صبا ہی
گل پاؤں تو میں ابھی ہوا ہوں
یوسف نے کہا وہ حال یعقوب
بعد اُسکے وہ سب تباہی اپنی
کہتے سُنتے اُٹھے سویرے
ہمجنس ملا نکالے ارمان
دل سرد رہا بغل ہوئی گرم
وہم اُسکو ہوا کچھ اور سمجھی
درماں ہی کہ درد لا دوا ہے
تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن
تارے تو اُتاروں آسماں سے
محمودہ نے کہا کہ مادر
مطلوب بکاولی کا ہے پھول

سا واغ اسکا برائے گل ہے
ساعی تھی بدل پہ کہنے والی
دیوؤں سے کہا کہ جد سے بنجاؤ
سن حاجت نقب بہر گلگشت
پوشیدہ زمیں سے دلمیں کی راہ
جب بھر تہ زمیں سمایا
صحن چمن ارم میں اک جا
کھٹکا جو لگا ہیانوں کا تھا
گوشے میں کوئی لگا نہ ہووے
گو باغ کے پاسباں غضب تھے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند
خوش قد وہ چلا گل وسمن میں
ایوان بکاؤلی جدھر تھا
رکھتا تھا وہ آب سے سوا تاب
پھول اسکا اندھے کی دوا تھا
پانی کے جو بلبلوں میں تھا گل
پوشاک اتار اتر کے لایا
گل لے کے بڑھا ایاغ بر کف
بارہ دری واں جو سونے کی تھی
گول اسکے ستون تھے ساعد حور
دکھلاتا تھا وہ مکان جادو
پردہ جو حجاب سا اٹھایا
بندا سکی وہ چشم نرگسی تھی

نرگس کے لیے ہوائے گل ہو
راہ اسنے سرنگ کی نکالی
تا باغ ارم سرنگ پہونچاؤ
کرتا جو ہوں لئے دامن ودشت
جد باندھ کے خوش پھرے اسی راہ
اس نقب کی راہ وہ آدم آیا
بوٹا سا تہ زمیں سے نکلا
دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے
خوابیدہ برنگ سبزہ سب تھے
سوسن کی زباں خدا نے کی بند
شمشاد رواں ہوا چمن میں
حوض آئینہ وار ہم ودر تھا
چندے خورشید و چندے مہتاب
رشک جام جہاں نما تھا
پہونچا لب حوض سے نہ چنگل
پھولا نہ وہ جامے میں سمایا
چوری سے چلا چراغ بر کف
سو خواب گہ بکاؤلی تھی
چلمن مژگان چشم مخمور
محراب سے در سے چشم وابرو
آرام میں اس پری کو پایا
چھاتی پہ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی — بڑھ جوبن پہ سے چاندنی تھی سر کی
لپٹے تھے جو بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں
چاہا کہ بلا گلے لگا وے — سوتے ہوئے فتنے کو جگا دے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی
یہ پھول انھیں اژدہوں کا ہے من — یہ کاٹنے چراغ کے ہیں دشمن
گل چھن کے ہنسی نہ ہووے بالکل — خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی
آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا
ہیبت سا زمیں کے دل میں آیا — اندیشے کی طرح سے سما یا
جب نقب افق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہرو شتاباں
گل ہاتھ میں مثل دست بیضا — اُس نقب کی آستیں سے نکلا
وہ دیونی اور وہ دخت انساں — دونوں تھیں اسی کی منتظر واں
گل لے کے جب آیا وہ گلچیں — اُس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن سے — یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اُڑایا — اور غنچۂ صبح کھلکھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام — یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے — اُٹھی نکہت سے فرش گل سے
منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی — پر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے — کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل — جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون — ہے ہے مجھے خار دے گیا کون

ہاتھ اُس کے اگر پڑا نہیں ہے
بُو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے

نرگس تو دکھا کدھر گیا گل
سوسن تو بتا کدھر گیا گل

سنبل مرا تازیانہ لانا
شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا

ٹھہرائیں خواصیں صورت بید
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید

نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زبان درازیاں کیں

پتا بھی پتے کو جب نہ پایا
کہنے لگیں کیا ہوا خدایا

ان بوٹوں میں سے پھول لیگیا کون
بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون

شبنم کے سوا چرانے والا
تھا اوپری کون آنے والا

جس گلشن میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

بولی وہ بکاؤلی کہ افسوس
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس

آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
پُتلی وہی چشم حوض کا تھا

نام اُسکا صبا نہ لیتی تھی میں
اس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں

گلچیں کا جو ہاتھ سے لوٹا
غنچے نے کبھی منھ سے کچھ نہ پھوٹا

او خار پڑا نہ تیرا چنگل
مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل

او باد صبا ہوا نہ بتلا
خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا

بلبل تو چہک اگر خبر ہے
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے

لرزاں تھی زمیں پہ دیکھ کہرام
تھی سبزے سے راست مو بر اندام

انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد
تھا دم بخود اُسکی سن کے فریاد

چنچل تھا سوچ میں کھڑا تھا
جھڑ برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا

رنگ اُسکا غرض لگا بدلنے
گلبرگ سے کف لگی وہ ملنے

بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی
دست آویز اسکی ہاتھ آئی

خاتم تھی نام کی نشانی
انسان کی دست برد جانی

ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات
ہتھا لگم بھی بدل گیا ہے بدذات

جس نے مجھے ہاتھ سے لگایا — وہ ہاتھ سے لگے کہیں خدایا
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے — کھال اسکی جو کھینچئے سزا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک — خوں رو دی لباس کو کیا چاک
گل کا سا لہو بھرا گریباں — سبزے کا سا تار تار داماں
دکھلا کے کہا سمن پری کو — اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ غبار سے بھری وہ — آندھی سی اُٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اُڑ کے جاتی — گلچیں کا کہیں پتا لگاتی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ — ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جاتی — اُس رنگ سے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسیکو کچھ ملا ہے — پتّا کہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مدعا ہے — اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشن مدعا کا گلچیں — یعنے تاج الملوک حق بیں
جس وقت وہ گل چمن سے لایا — محمودہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی — بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا — جوبن کی طرح اُسے اُبھارا
جب دیو سیاہ شب سے مہتاب — رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیے آفتاب تاباں — ہنگام سحر ہوا شتاباں
وہ مہر وش اور وہ ماہ پیکر — اُس دیونی پاس آئی مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اُسکو — رخصت کی طلب سنائی اُسکو
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ — دیووں سے کہا کہ تخت لے آؤ
دو بال دیے کہ لو مری لاگ — جب وقت پڑے دکھائیو آگ
دیو اُن کو سریر پر بٹھا کے — پرواز کناں ہوا پہ جا کے

بولے کہ کدھر چلو گے کہہ دو / فردوس کے رُخ کہا ادھر کو
وہ مڑ کے اُدھر کو اُڑ کے آئے / گلزار میں بیسوا کے لائیے
وقت سحر اور خنک ہوا تھی / گلگشت چمن میں بیسوا تھی
چار آنکھیں ہوئیں تو تھی شناسا / قدموں پہ گری کہ وہ سایہ آسا
صدقے ہو کر کہا خوش آئے / جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
ہمراہ یہ کون دوسری ہے / سایہ ہے کہ ہمقدم پری ہے
بولا شہزادہ شکر ہے ہاں / پُر ہے گل آرزو سے داماں
محمودہ نام ہے جو یہ ساتھ / پھول انکے سبب سے آ گیا ہاتھ
جیتا جو بچا وہ رشک شمشاد / قیدی سے کیے بیسوا نے آزاد
شہزادے نے بھائیوں کے نام / بھجوایا برائے داغ پیغام
چھوٹوں اُسنے تھا انکو تایا / سیچوں چھوٹوں نے داغ کھایا
داغا تو چلے تفنگ سے وہ / چھوٹے قید فرنگ سے وہ
چھوڑا ہوس گل چمن کو / چاروں داغی پھرے وطن کو
بندوں کو کیا جب اُسنے آزاد / آیا لب جو یہ رشک شمشاد
اسباب کو کشتیوں پہ کر بار / سونپا سب ناخدا کو گھر بار
جب متصل آ گیا وطن کے / خندے یاد آئے مرد و زن کے
سوچا میں خود ہوں خانہ برباد / کیا جانیے کیا پڑے گی افتاد
لازم ہے گل اپنے ہاتھ رکھیے / مہ سیع نہیں بہتر ساتھ رکھیے
لشکر کا اُٹھیں کیا اشارہ / خود کشتی سے تر گیا کنارہ
وہ چور بھی کر کے جو گیا تھا [illegible] / خشکی کی راہ سے چلا دیں
[illegible] / اک گوشے میں آنکھیں مانگتا تھا
تھا نقش نسیم سا [illegible] / [illegible] مسافر اس [illegible]
[illegible] / واجب تھی آزمائش [illegible]

پتلی پہ زر گل آزمایا — سونے کو کسوٹی پر چڑھایا
گل سے ہوئی چشم کور تاباں — ہو جیسے چراغ سے چراغاں
منہ دیکھ کے اسنے دیں دعائیں — سجے سے مژہ کے لیں بلائیں
گل کے جو اثر سے شادماں تھا — گلچیں وہ ہوا سے ہمعناں تھا

ملنا چاروں شہزادوں کا اور چھین جانا گل بکاؤلی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

ہے بسکہ یہ چرخ جور پیشہ — یوں خار رہ قلم ہے ریشہ
یہ جا کے اسی جگہ پہ ناگاہ — آ پہنچے وہ چاروں غول ہمراہ
تھے جانتے کہ واہ رے مقدر — کس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کیا رنگ زمانے نے دکھائے — گل لینے گئے تھے داغ لائے
کس منہ سے پدر کے آگے جائیں — کیونکر یہ بے پھول منہ دکھائیں
ٹھہرائی کہ اور پھول لیجائیں — کہاں کو بے وقوف ٹھہرائیں
اک بادہوائی توڑ کر پھول — کہنے لگے پھول پھولکے غول
گیا پھول ہے کیا اثر ہے اس میں — ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
وہ کور کہ ہو چکا تھا بینا — دیکھا اسنے جو یہ قرینا
بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے — اس پھول کی اور گلزمیں ہے
وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں — دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں کھلجائیں
میں کور ابھی ہو چکا ہوں بینا — اندھا نہیں اب ہوا ہوں بینا
چاروں کو تھی حسرت گل تر — جویا وہ ہوا کی طرح چلکر
اس جوگی کے جب برابر آئے — باہم کہا دیکھو پھول لائے
گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ — بولا کہ بجھے نہیں زیادہ
جوگی یعنی وہ شاہزادہ — سمجھتے ہی نہ تم زمیں پہ پانوں
پائے اگر اس درخت کی چھانوں

ڈینگ آپ کی سب فضول ہو یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ
یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا — اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس — شورش میں وہ چار موج یہ خس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا — اُس خضر کو راستہ بتایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے — گھوڑوں پہ ہوا کے مثل بو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے — گل لے کے حضور شاہ آئے
گل لائے جو نور دیدہ و خواہ — آنکھوں کی طرح پھڑک گیا شاہ
نیچے سے پلک کے پھول اُٹھایا — اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
نور آگیا چشم آرزو میں — آیا پھر آب رفتہ جو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا — خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
دولت جو پاس تھی لٹائی — زر بخشا گل کی رونمائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر — محتاج و گدا ہوئے تونگر
بجوائے طرب کے کارخانے — بجوائے خوشی کے شادیانے

پہونچنا بکاؤلی کا دار الخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہوکر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہو
وہ باد چمن خراماں — یعنی وہ بکاؤلی پریشاں
گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آسکے آئی
دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے
گلبانگ زباں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا
پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی
جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آملی پریزاد
سلطان کی سواری آرہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی
پوچھا اسے آدم پری رو — انسان ہو پری ہو کون ہو تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے
ہے کون سا گل چمن کدھر ہے

دی اُس نے دعا کہا بصد سوز
فرخ ہوں تمہا ہیں ابن فیروز

گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجئے چھوڑے گاؤں کا نام

پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت
پوچھا کہ طلب کہا قناعت

باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ
لایا بصد امتیاز ہمراہ

چہرے سے امیر زادہ پایا
گھر لا کے وزیر اُسے بنایا

نذریں لیے بندگان درگاہ
دستور سے آ ملے بصد جاہ

دربار میں چاروں شاہزادے
دیکھے تو کھلے وہ دل کے سادے

چاہا گلچیں کا امتحاں لے
پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں لے

بتلانے لگے وہ چاروں ناداں
کوئی یمن اور کوئی بدخشاں

جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے
خاتم کے نگیں بنائے ہوتے

تجویز میں تھا یہ صاحب فکر
آیا تاج الملوک کا ذکر

نقش اسکو ہوا کہ بس وہی ہے
ان سادوں نے کندہ کب ہوئی ہے

ظاہر نہ کیا بطون اپنا پوشیدہ
طالع سے لیا شگون اپنا

منزل گہ رہرواں بنا کے
شام و سحر اسمیں آپ آ کے

رہرو کو دیا بلطف و اکرام
آتے کے آرام جانے بیغام

آباد ہوا تاج الملوک کا گلشن نگارین بنوا کے اور شہرہ ہونا

تعمیر مکاں سے کے ہیں جو آثار
یوں خامہ ہے بہر بیت معمار

شہزادہ کہ عازم وطن تھا
گل پانے سے خوش چمن چمن تھا

اندیشے کو کیا جب اُس نے بینا
اور داغیوں نے وہ پھول چھینا

سوچا کہ خوشی خدا کی غم کھاؤ
حسّالہ دیوی کو بلواؤ

نقل ارم اک مکاں بنا کے
رکھوں پریوں کو اپنی لا کے

بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی — وہ دیوئی بال باندھی آئی
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں — محمودہ کیا ہوئی کہاں ہیں
دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا — مسکن کے لیے تمھیں بلایا
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ — جو باغ بکاؤلی کو دے داغ
حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد — آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
ویرانے کو گل زمیں بناؤ — گلزار جواہرین بناؤ
صناع طلسم کار تھے وہ — گلشن کے لیے بہار تھے وہ
دیوؤں نے اُدھر محل بنایا — کشتی سے وہ دخت رز کو لایا
حمالہ اس کی مادر پیر — محمودہ سے ہوئی بغل گیر
پھر دیوؤں کو چھوڑ کر وہیں پر — رخصت ہو کر چلی گئی گھر
گلشن میں سمن بروں کو لایا — نسرین بدنوں سے گھر بسایا
دونوں کو محل میں لا کے رکھا — پھل نخل مواصلت کا چکھا
دیوؤں کو کہا کہ بہر تسکیں — آباد ہو گلشن نگاریں
دو لو آدمی بسا کے بن میں آئے — آتے جاتے کو گھیر لائے
جو سُن کے خبر گیا اُدھر کو — جنت سے وہ پھر آیا نہ گھر کو
از بسکہ قریب شہر تھا باغ — خورشید افق نظر پڑا باغ
مفلس زردار امیر قلاش — نوکر تاجر فقیر خوش باش
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انسان — پھر تن میں نئے آ گئے صورت جان

ملاقات ٹھہری زین الملوک اور تاج الملوک کی آپس میں

گلشن جو بنا ادھر ارم آگیں — یوں صفحہ قلم سے ہے نگاریں
ساعد نام ایک مہ لقا تھا — دلبر کا غلام باوفا تھا
صحرا سے کچھ سیر کر کے آیا — لکڑی کا چکا کے بوجھ لایا
دلوا کے ہر ایک کو بے قوت — الماس و عقیق و لعل و یاقوت

تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر / کچھ ٹھہرکے پھر آگئے جانب شہر
کف میں وہ لعل بے بہا تھے / سن پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
شحنے سے لئے سنا پکڑ بلایا / لے کر اظہار ساتھ آیا
دیکھا تو وہ جلوہ گاہ امید / اک دائرہ تھا برنگ خورشید
دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا / بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا
جب واں سے طلب ہوا تو درباں / لائے اسے پیشگاہ سلطاں
آداب کیا ادب سے ٹھہرا / ہیبت زدہ دور سے ٹھہرا
ان لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ / معروض کیا کہ یا شہنشاہ
کم مایہ یہ لوگ ہیں بظاہر / چوری سے کئے تو یہ نہیں جواہر
ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد / نیت ہوئی ہوگی اسکی فاسد
حضرت یہ وہی تو ہیں تبر دار / جا لینے نہ لو لیو خبر دار
پھر کر اٹھیں پاؤں شحنہ بے آس / آیا زین الملوک کے پاس
کی عرض کہ باغ اک بنا ہے / یہ شہر اجڑا ہے وہ بسا ہے
جو کوئی سہے اس جگہ پہ جاتا / ڈھیروں سے ہے جواہرات پاتا
حضرت نے کہا کہ ہاں نہ خیرہ / قارون کا وہیں ہو گیا ذخیرہ
فرخ کہ وزیر با خرد تھا / سلطاں کا مشیر نیک و بد تھا
بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے / نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہے
ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ / کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانے کی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج / رکھتا تھا محل میں بار ور زوج
تھا داغ پسر مقدر اس کو / جنتی تھی ہمیشہ دختر اسکو
ازبسکہ وہ شاہ تھا بداختر / کرتا تھا حسد سے قتل دختر
اکبار محل میں پھر حمل تھا / وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری
اقبال کا کچھ نہ جانیے اوج
کنیاں تھی غرض کہ راس اسکی
سلطاں کا جو عہد بے خلل تھا
ملحوظ بدل بھا پردۂ راز
ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
پھر اہل نجوم محرم راز
بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
جبتک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
حیلہ کرکے چھپالی یک چند
وہ گندم جو نما تھی بالی
خوش ہوگئے پدر نے پھر شادی
بن ٹھن کے عروس شکل داماد
اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے
خیمے سے وہ بیقرار نکلی
دیکھا تو اندھیری رات سنسان
اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا
دیکھا تو کہا حضر سے آؤ
بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد
اے مرد خدا خدا کی سوگند
بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام
کہہ کر کھلے بندوں جیا کی سنگی

بیٹا جو نہ دے جناب باری
کر ڈالیے ذبح دختر و زوج
پوری نہ ہوئی وہ آس اسکی
گھر والوں کو خوف کا محل تھا
ستارہ شناسوں سے کیا ساز
تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند
بانو نے ملک سے ہو گئے دمساز
گویا ہوئے دست بستہ آکے
بد یمن مگر ہے ایک اختر
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
بیتاب ہوا جب آرزو مند
مردانہ لباس سے نکالی
ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی
شادی کو چلی بجان ناشاد
اور روز نکاح تھا سویرے
اس بہانے سے مثل خار نکلی
اک عالم ہو ہے اور بیاباں
جویائے شکار دشت میں تھا
منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ
کیوں تنگ ہے جی سے کیا ہے بیداد
کہہ جس لیے ہو تو آرزو مند
خنجر کا ہو گیا نیام سے کام
بے ننگ ہوئی وہ شوخ سنگی

آنکھیں جھپکا کے دیو بولا — تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
خاطر تری سے طلسم دکھلاؤں — تو مجھ سی سے میں تجھسا بن جاؤں
موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ — کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ
پائے مردانگی سے پرتو — دامن میں سے دی چراغ نے لو
تھالی میں یہاں اُگا صنوبر — واں شیشہ رہا ترش کے ساغر
اب یاں سے ہے قصہ مختصر طول — فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول
بولا کہ سہا جو یہ ہوا ہے — اس بات کا پھر وجود کیا ہے
شہ نے کہا سُن وزیر دانا — بے دیکھے سنے کو کسنے مانا
یاد آئی مجھے بھی اک روایت — یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحتگری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد — دانا تھا وہ طائر چمن زاد
بولا جب اُسنے باندھے بازو — کھلتا نہیں کس طمع پہ ہے تو
بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں — گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں
پالا تو مفارقت ہے انجام — دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام
بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ — سمجھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھ
سُن کوئی ہزار پھر سناوے — سیکھے وہی جو سمجھ میں آوے
قابو ہو تو کیجیے نہ غفلت — عاجز ہو تو ہاریے نہ ہمت
آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے — جاتا ہو تو اُسکا غم نہ کیجے
طائر کے یہ سُن کلام صیاد — بن دام ہوا غلام صیاد
بازو کے جو بند کھول ڈالے — طائر نے تڑپ کے پر نکالے
اک شاخ پہ جا چہک کے بولا — کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا
ہمت نے مری مجھے اُڑایا — غفلت نے تری تجھے چھوڑایا
دولت نہ نصیب میں تھی تیرے — تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیاد نے دلاسا
بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جل
ارباب غرض کی بات سن کر
فرخ یہ وہی مثل نہ ہووے
مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
نقشے میں وہ گلشن نگارین
حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
اس سوچ میں تختگہ تک آیا
آداب اک کر کے حسب دستور
سمجھا کہ حسین آدمی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے
بھولے سے بسائے مردم شہر
دعوے یہ ہو یاں زمیں والی
خیر اب بھی یہ رفع شر جو چاہو
بولا کہ وہ فتنہ گر نہیں ہم
درویشی ہیں دل سے بادشاہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو
بولا وہ فقیر کی بلا جائے
بولا وہ کہ خیر تا بہ فردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر آیا

جانا پھر کچھ لگا لیے لا
طائر بھی کہیں نکلتے ہیں لعل
کر لیجیے ایک بیک نہ بار
دیکھ آ جو تجھے دہل نہ ہووے
دکھلائی دیا وہ بقعۂ
گلزار ارم سے تھا خوش آئیں
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا
حیران وہ وزیر شہ تک آ
ٹھہرا تو وہ بادشاہ مستا
کیا جانیے کہ خود بگاڑ لی
بولا وہ کہ نام سے ہی کیا کا
بھیجا ہے زین الملوک کا ہوا
بن گھیر لیا مکان بنا
حضرت کا بڑا ہے آپ پر
آبادی میں آ گئی ہے خرا
سر آنکھوں سے چلیے جو سا
شر جن سے ہو وہ فتنہ نہیں
مسند کے تلے گڑا ہے
شش دل بدگماں کا تھا
باہم مہ و مہر کا قران
مشتاق جو ہو وہ شوق سے آ
اُٹھ جائیگا درمیاں سے پردا
پہونچا تو وہ شہر خالی پا

شہزادۂ و شہ محل میں تھے واں
برہم زدہ بزم کے چراغاں

شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
رخ فرخ فرخ پکار اُٹھا

سلطاں کے نثار ہو کے دستور
بولا کہ بلاے شاہ ہو دور

دیکھ آیا میں وہ مکان یاقوت
ہے معدن لعل و کان یاقوت

تختہ ہے زمردیں کہ سبزو
گلشن ہے جواہریں کہ جادو

نقشہ کہوں کیا نگار خانہ
جادو کا تمام کارخانہ

دیوؤں کی بنائی ہے وہ بنیاد
رہنے والے ہیں آدمی زاد

واں صاحب تاج و تخت جو ہے
درویش ہے شاہ نام کو ہے

دیو اُسکے عمل میں آ گئے ہیں
جادو سے محل بنا گئے ہیں

کل آپ بھی چل کے دیکھیے سیر
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خامہ سے وانشگاف یوں ہے
دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے

فرخ جو گیا تو شاہزادہ
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کل زیادہ

رکھا آتش پہ دوسرا بال
حاضر ہوئی دیونی قوی بال

دعوت کی اُسے خبر سنائی
دیوؤں کے رخ اُسنے آنکھ اُٹھائی

ہمچشموں نے جتنوں اُسکی تاڑی
پلکوں سے زمیں بن کی جھاڑی

غولوں سے جو تھا بھرا بیاباں
پھولوں سے بنا دیا خیاباں

صناعی اُنھوں نے رات بھر کی
مشتاق تھے واں وہ شب سحر کی

بجتے ہی گجر وہ شاہ ذی جاہ
چاروں شہزادے لیکے ہمراہ

جو جو امرا تھے سب بُلا کے
فرخ کو خواصی میں بٹھا کے

مشرق سے رواں ہوا دلاور
جس طرح اُفق سے شاہ خاور

بجلی سے جو زرق برق آئے
فرش ابر کی طرح بچھتے پائے

دیکھا تو تمام دشت گلزار
دائیں بائیں دو رستہ بازار

شہر کہتے تھے دشت پُر خسک تھا
غافل تھے کہ سبز باغ سے یہ
تجویز رہے تھکے سب فرنگ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج
کیا لشکری اور کیا شہنشاہ
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیرا
شہزادے نے آمد اُنکی پائی
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں
ایوان جواہریں میں آ کے
وہ چتر کے زیر سایہ بیٹھے
جو جو کہ تواضعات ہیں عام
چکنی ڈلی عطر الائچی پان
رغبت سے انھیں کھلا پلا کے
اس تاج شہی میں کے نگیں ہیں
سلطاں نے کہا بصد لطافت
اک اور ہوا تھا قابل خشم
جب لائے یہ گل بکاؤلی کا
پوچھا اسنے وہ اب کدھر ہے
پوچھا شہزادہ نے کہ یا شاہ
اک انمیں سے چشم آشنا تھا
بولا کہ حضور ادھر تو دیکھیں
صورت وہی رنگ روپ وہی ہے
یہ سنتے ہی اُسنے خندہ کر کے

فرخ کہتا تھا کل تلک تھا سر قدموں سے شاہ نے اُٹھایا
اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ لے لے کے بلائیں کاکلوں کی
جادو افسوں طلسم نیرنگ عرض اُسنے کیا کہ دو پرستار
جتنا بڑھے پیچھے سب ہو تاراج حضرت نے کہا بلا نے خبر
سناٹے میں تھے کہ اللہ اللہ شہزادے نے اک مکان بتایا
سب من کی ہوس سے ہو گئے گم سب اُٹھ گئے پر وہ چاروں باغی
کی تا در خانہ پیشوائی شہزادہ اُٹھا محل میں آیا
دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں دلبر سے کہا میں جب کہوں آؤ
الماس کی شہ نشیں میں آ کے در پردہ سکھا کے باہر آیا
افسر سب پایہ پایہ بیٹھے دلبر نے کہا بجاؤں گی میں
لے آئے خواص نازک اندام اُٹھ جائیں یہ چاروں سست بنیاد
نقل و مے و جام و خوان الوان چاروں کا یہ سنتے ہی اڑا رنگ
بولا شہزادہ مسکرا کے دکھلائی دیے جو بیٹھے بے رُخ
کے نام و نشاں دلنشیں ہیں ہریاں دلبہ تھے داغ واں سُرین پر
یہ چار ہیں عنصر خلافت وہ جہل وہ ہار وہ غلامی
وہ نور بصر تھا دشمن جیش وہ دسترس اور وہ پائیری
نکلا تب خار دشمنی کا وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر
سلطاں نے کہا کہ کیا خبر ہے وہ سعی وہ دیونی کی صحبت
صورت سے ہو کوئی اسکی آگاہ تجویز کی وہ سرنگ کی راہ
کوکا اسی شاہزادے کا تو وہ سیر چمن وہ پھول لینا
دیکھا تو کہا مری نظر میں وہ گور سے حق میں خضر ہونا
لہو وہی گفتگو وہی ہے وہ بال کو آگ کا دکھانا
سر پانوں پہ رکھدیا پدر کے وہ نزہت گلشن نگاریں

فرزند کو چھاتی سے لگایا
پیشانی چومی پیٹھ ٹھونکی
پابوسی شہ کی ہیں طلبگار
اُٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر
اک ایک اٹھا اُدھر کو آیا
بیٹھے رہے فرش گل پہ داغی
پردے تلک انکو ساتھ لایا
تو کہیو یہ چاروں داغی اُٹھواؤ
بے پردہ حضور شہ بلایا
قربان گئی نہ آؤں گی میں
داغی ہوئے ہیں غلام آزاد
یکبارگی شاہ ہوگیا دنگ
دیکھا تاج الملوک کے رُخ
یاں نام یہ حرف واں نہیں ہے -
وہ ٹھاٹ وہ چھینٹا نامی
وہ بیکسی اور وہ دشت گردی -
وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر
تحفے وہ کی وہ آدمیت
اور ہوش دوانیاں وہ بخواہ
وہ عزم وطن وہ داغ دینا
وہ غولوں سے مل کے پھول کھانا
وہ جھڑکے یہ وہ دیو کا آنا
وہ دعوت پا دشمن وہ کھیں .

گذرا تھا جو کچھ بیان کیا سب / پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
انگشتری پری دکھا کر / کھلوائی سرین کی مہر مخفی
پہلے تو بہت وہ منہ چھپا کے ڈپٹے / آخر داغی دکھا کے بیٹے
اٹھوا کے انہیں وہ دو خوش آئیں / پابوسی شہ کو سر سے آئیں
حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت / دونوں کو دیے خطاب و خلعت
نذریں اُن دونوں نے دکھائیں / رخصت ہو کر محل میں آئیں
مسند سے شہ اٹھ کے بے محابا / بولا بیٹے سے جان بابا
روشن کیا دیدۂ پدر کو / مادر سے بھی چل کے آنسو پونچھ
مشتاق کو ردہ براہ پایا / ہمراہ فرس سے تا بخانہ لایا
ماں نے دیکھا جو وہ دلاور / اشکوں سے کیے گہر نچھاور
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر / مانند سرشک چشم مادر
ہر خویش و یگانہ سے ملا وہ / پھر اپنی جگہ پہ آگیا وہ

غائب ہونا فرخ یعنی بکاؤلی کا اور بلوانا تاج الملوک گلشن نگارین سے اور مشفق ہو کر گلزار ارم میں رہنا

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر / اب خامے نے یوں کیا ہے تحریر
فرخ وہ پادشہ کا دستور / یعنی وہ بکاؤلی مستور
مطلوب کا سن سمجھ کے سب حال / یاں بھی کہ بکا لے کچھ پر و بال
سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے / یکبارگی یہ اضطراب کیا ہے
اس شمع کا پاس کر گئی وہ / تنفیر لباس کر گئی وہ
فرخ تھی نہ شکل آدمی تھی / پھر وہ پری بکاؤلی پری تھی
غربت سے چلی وطن میں آئی / صحرا سے اڑی چمن میں آئی
پژمردہ جو اصلوں میں پڑی جا / صدمے تھے ہوئی کوئی کلی
اس سینچے میں اک سمن پری تھی / وہ ہمنفس بکاؤلی تھی

دی کہو کیا کیا کہا خوب
مانگا کاغذ دوات خامہ
اے یوسف چشم زخم یعقوب
اے دلبر دلربا و غلباز
اے آب زمین نیرنگ
اے پردہ کشا سے بے حجابی
اے زہرہ رو رخ نہادہ
اے بے سر و برگ گلشن آرا
اے بے خبر طلسم صورت
اے باعث عزم سفر بانی
اے آئینہ دار خود نمائی
اے پردہ کشائے رشتے پنہاں
د باغ ارم سے لے گیا گل
بے رخ ترے واسطے ہوئی ہیں
مجھ کو ترے باپ سے رلایا
جو جو آزار تجھے نہانی
ہیا لطف جو عیب پردہ کھولے
پا تھا کہ دل سرے سے پامال
بیسے کہ صورت اور کچھ تھی
سب ہیں وہ تجارتی کے جانتے ہیں
آئے گا تو در گذر کروں گی
داغوں پہ جو دیے ہیں داغ تو نے
ناشدنی ہیں اگر نہ سمجھنا

بے کچھ کئے پھر بھی آئی کیا خوب
لکھا پچھلیں سے نام نامہ
اے رشک برادران منکوب
اے دیو سوار عرش پرواز
اے نقب دوال باغ گلرنگ
اے وزد عنا سے ستیابی
اے صرصر گل بباد دادہ
اے لعل نما سے سنگ خارا
اے بے بصر رخ ضرورت
اے صاحب بزم مہربانی
اے سرمہ چشم آشنائی
اے داغ نما سے پشت اخوان
تو مجھ سی پری کو دیکھا جل
فرخ ترے واسطے ہوئی ہیں
مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
سب تجھ سے سنے تیری زبانی
جادو وہ جو بھید تجھ کے کھولے
کر شکر سمجھ کہ تھا خوش اقبال
وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
جلد آ کہ سبھی تماشی ہیں
ورنہ میں بہت سا شکر کروں گی
دکھلائی ہیں سیر باغ تو نے
تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

پھر خط کی ہوا امید واری
یہ لکھ کے کہا سمن پری کو
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
رستے میں ہے گلشن نگاریں
خاتم کے نشاں سے نامہ دیجو
خط خاتم لے کے وہ ہوا لی
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں
وہ آدم جو روش پہ پیرو
گلگشت میں تھا کسی روش پر
قاصد نے جو رخ پری دکھایا
پہچانتے ہی نگین خاتم
تیر تو وہ یوں چلا تڑپ کے
دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا
گو سر خموشی نے کھلایا
قاصد سے کلام لطف بولا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا
تحریر تھی سرگذشت ساری
منگوا کے وہیں دوات و خامہ
اے شاہ ارم کی دخت گلفام
اس نام کے اس لقب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرایا
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں
تو چاہے تو کیوں نہ آئے افسوس

القط ہے قلم کی دوستداری
چالاک ہے تو ہی قاصدی کو
پورب کی سمت کو چلی جا
رہتا ہے وہیں مراد گلچیں
ٹھہری رہیو جواب لیجو
پتا ہوئی اور رستے پہ آئی
ثابت ہوا گلشن نگاریں
یعنی تاج الملوک خوشخو
محمود وہ دائیں بائیں دلبر
دھیان اس کو بکاؤلی کا آیا
بے شبہ ہوا یقیں کا عالم
انگارے پہ جیسے کبک لپکے
قاصد نے دیا وہ خط پری کا
تحریر کو آنکھوں سے لگایا
خط صورت چشم شوق کھولا
قسمت کا نوشتہ ایک قلم تھا
کچھ یاس تھی کچھ امیدواری
تحریر کیا جواب نامہ
فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نامے کے اس طلب کے صدقے
تو نے کیوں آ کے منہ چھپایا
تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں
افسوس افسوس ہائے افسوس

تقدیر پھری پھری نہیں تو
اے کاش میں کچھ بھی سانس پاتا
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو برق دماں میں خرمن خار
تو جوشش یم میں مور بے پر
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
منظور جو ہو حیات میری
حوالہ کو بھیج آ کے لیجا لے
بھیجا نہ اُسے تو جان لینا
یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اُٹھایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی
پوچھا کہ اری تجھے خبر ہے
وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں
یہ سن کے وہ شعلہ ہو بھبوکا
تیرا ہی تو ہے فساد مردار
گل نقب کی راہ لے گیا چور
حوالہ جلی ہوں کیا کہوں میں
آگاہ جو دیونی سے پائی

اُمید گئی گئی نہیں تو
جی کھول کے داغ دل دکھاتا
جو کھینچ کے یاں سے لیگیا تھا
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری
یاں بھی جو رہا تو یہ جاں ہو لیں
تو بستر شعلہ میں رگ شمع
تو سیل رواں میں خستہ دیوار
میں نقش قدم تو باد صرصر
مر جاؤں گا اب نہیں جیوں گا
انسان کی ہے مرگ زندگانی
تو مان لے ایک بات میری
شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے
آسان ہے یہاں بھی جان دینا
قاصد نے لیا جواب لایا
دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
گلچیں سرا کو سنا تیر ہے
بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں
بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا
داماد کو گل دیا مجھے خار
زندہ کروں اس موے کو درگور
داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں
بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

محمود وہ ہے کنیز زادی
انسان سے ہوئی ہے اسکی شادی

میرا تو نہیں قصور ہے کچھ
شاید اسکا فتور ہے کچھ

مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی
یہ کہہ کے اٹھی چلی ہوائی

آئی تو یہ زار پیچتاں تھا
آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا

حمالہ کو دیکھتے ہی رو رو
پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو

بولی وہ نہ بگاڑ کیا ہے
چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے

کچھ بول سکے زیر لب وہ دل زار
ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار

لرزا سا چڑھا جو دیولی پر
مانند حواس اُڑی وہ مضطر

اس سمت سے پہنچی یہ عقیلہ
واں آئی پری کی ماں جمیلہ

شکوہ کرنے لگی پری سے
یوں کہنے لگی بکاؤلی سے

گلزار کی کس کی خوب بھائی
بچوں سے نہیں تو گھر بھی آئی

بطرح گل کس کی ہے تو شیدا
گلچیں نہ ہوا ہو کوئی پیدا

کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
رخ میری طرف نظر کہیں اور

مادر کے کلام سن کے خستہ
بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر

میں کیا جانوں کہ مجھے خبر کیا
رخ کسکو کہتے ہیں نظر کیا

تقدیر جو بھولے پن کی آئی
وہ سادہ دل اُٹھ کے گھر کو آئی

جب اُٹھ گئی یہ تو دیولی وہ
حاضر ہوئی لے کے آرسی وہ

آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار
اندیشے سے کانپ اٹھا گنہگار

واں غصہ بھری غضب کی چتون
پلکوں سے یہاں نظر پہ چلمن

واں سرمۂ چشم گرم تسخیر
یاں قطرۂ اشک تر گلوگیر

واں پھانسنے کو بلا کے گیسو
یاں تاب سخن نہیں ہے سو

بولی وہ پری بقصد تامل
کیوں جی تمہیں لگ گئی تھی وہ گل

کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو
میری طرف اک نظر تو دیکھو

محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند
توبہ کا تو در نہیں کیا بند

بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم
پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم

اے شمع نہ سوچ گر بد و نیک
رشتہ کاٹیگا تجھ سے ہر ایک

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں
تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں

غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے
دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجیے

جھنجھلائی بکاؤلی کہ بس بس
اب ایک کہو گی تم تو میں دس

رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا

مانا مری حالت اب ردی ہے
بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

بلبل اسی رشک گل کی ہوں میں
تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

سوجھی وہ کہ یہ نہیں سمجھتی
ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجیے
سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجیے

کچھ روگ جو درپئے خلش ہو
درماں کے لیے دوا دوش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے
اس باغ کی اور ہی ہوا ہے

آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ
ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ

یاد آئیں جو ابروان خمدار
رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آئے
جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

گر یاد کہیں چہ ذقن کو
کودے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو

دیوانے کی مطلق العنانی
ہے باعث مرگ ناگہانی

تدبیر کا جو حیلہ نکالا
زنجیر کا سلسلہ نکالا

بیڑی تھی رخ جنوں کی کاکل
پابوسی گل کو آیا سنبل

جب وحشت عشق ہو زیادہ
زنجیر سے پیش پا فتادہ

شوریدہ بکاؤلی غضب تھی
زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری
پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہے
بیتابیِ دل جہاں جہاں ہے

زنجیر جنوں گر ہی نہ پڑے تو
دیوانے کا پاؤں درمیاں ہے

ذرّے کا کبھی چمکے گا ستارہ
قائم جو زمین و آسماں ہے

جو داغ کہ مہر ہے فلک پر
دل میں مرے اب تلک نہاں ہے

کس سوچ میں ہو نسیم لو لو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے روح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہر گہر طلسم اخلاص
ہے بحر سخن میں خامہ غواص

وہ قطرۂ بارش جدائی
وہ غنچۂ بحر آشنائی

وہ بادشہ حباب افسر
یعنی تاج الملوک مضطر

بے بہری چرخ سے جو ناگاہ
گرداب کے ہالے کا ہوا ماہ

جو ماہ سپہر برتری تھا
سو ماہی بحر ابتری تھا

بادل سا وہ بحر آسماں جوش
بجلی سا لہر سے تھا ہم آغوش

دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں
طوفان طلسم جوش افسوں

گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا
ابھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا

موجوں کے عوض بنی جیبیں داماں
گرداب کے بدلے تھا گریباں

آگے جو بڑھا جزیرہ دیکھا
اشجار و پھل کا ذخیرہ دیکھا

جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور
ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور

جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
ہے یاں کے درخت کا یہی پھل

اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام
ڈوبا خورشید ہو گئی شام

ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا
اک نخل کہن پہ چڑھ کے بیٹھا

ناگاہ سنی صدائے پر خوف
آیا اک اژدہا پئے طوف

صورت میں پہاڑ کی نشانی
سیرت میں بلائے ناگہانی

منھ کھول کے سانپ اک نکالا
لہرا لہرا کے اوس چاٹی
جب صبح ہوئی تو منھ میں ڈالا
وہ جا کے افق میں سر چمکا
سوچا وہ کہ بیچے من کسی طور
بچھ گئیں کلیاں کر رہی تھیں
دودھ اُسکا دوہا سپیا کھا لو
نکلا جو چاند آ کے شب کو اژدر
گوبر پھینکا تو دب گیا من
بنے روشنی انڈے ہو گئے وہ
من لے کے جو اُس نے پھیرا مارا
دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
میں شجر پر کہ جھکی جہاں کا
مادہ سے یہ سُن کے بول اٹھا نر
وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
اک سانپ ہے واں یہ چوٹ کرتا
لیکن جو یہ بندہ خدا جائے
لیکے گا خود اُسکو دیکھ کر سانپ
اُترے گا لگا کے جب یہ ٹوٹا
اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
سب خشک ہے ایک ہے ہری ڈال
پہلے تو یہ لال پھل کو کھا لے
پھر توڑ کے اُسکے سبز پھل کو

اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا
جن میں کالوں نے رات کاٹی
کالے نے من اژدہے نے کالا
من اُگلی شب کے منھ سے نکلا
دشمن کا تھا سامنا کیا غور
جن میں ہری دوب چر رہی تھیں
گوبر کے انھیں کے چھوت پھینکو
گلخن سے دھواں دھوئیں سے اخگر
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ
شب کاٹ کے صبح دم سدھارا
مادہ لگی پوچھنے کہ اے نر
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر
طالب ہے خواہش میں سوا ہے
مارے سے نہیں کسی کے مرتا
تا حوض قدم قدم چلا جائے
منھ چادر آب میں ہے لے ڈھانپ
بچ جائیگا آدمی سے طوفاں
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے
دو رنگ کے پھل ہیں سبز اور لال
انسان کا رنگ روپ پائے
پھل کچھ اُسے دے رہیگا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
دو ہاتھوں میں لے جو کاندھو پر سے
ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
پتے کی صفت بیان کیا ہو
منہ میں رہے گوند اُسکا جبتک
تھا ملہم غیب مرغ گویا
کانے نے جہاں سے کی سیاہی
طوطا بنکر شجر پہ آکر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آگئی عصا کی تاثیر
اڑتا ہوا واں سے دور جاکر
من ران کو چیر کر چھپایا
اک حوض پہ آب و تاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اُٹھایا
دکھلائی بُرے دنوں نے قسمت
حوض اسکی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی سے دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنے نعرہ زن ہو
آنگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی نظر اُسکے بے قید
جب جن کے نہانے کا دن آیا

ہتھیار نہ اُس پہ کارگر ہو
بنجاتا ہے موم اگر ہو آہن
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال
دم بھر میں بھرے جراحتوں کو
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا
وہ حوض میں تھا مثال ماہی
پھل کھا کے بشر کا روپ پا کر
اُس پیڑ سے لے کے راہ پکڑی
پرّاں ہوا صورت عنقا پھر
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پیتے ہی وہ زخم سب بھر آیا
سرچشمۂ آفتاب دیکھا
وہ حوض وہ آب پھر نہ پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
فوّارہ تو کم خزانہ باقی
چھاتی پہ دھرا بگولوں سے پھر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسی آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا

اُبھری تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
مردی نے جو پھر وجود پایا
ترکش پہ نگاہ کی تو تھا تیر
گو شمع بنا چراغ دامن
تھا مردم دیدۂ طلسمات
اک دیو کی مردہ دل سی مبہوت
زنبور سیاہ خال اس کے
گٹھا لئے سر پہ لکڑیوں کا
شہزادہ کہ تھا کریہہ منظر
گٹھا وہ دیا کہ پیچ لا جا
حیرت زدہ شاہزادہ لاچار
جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل
واں سے جو بڑھا تو ایک چشمہ
غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا
کھویا ہوا مال ہاتھ آیا
خورشید گرا گہن سے چھوٹا
یارب یہی اب میں چاہتا ہوں
ناداں ہو جو آبرو کو کھوئے
یہ کہکر کاندھے رکھ کے لاٹھی
کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس
دیکھا ناگاہ کوہ البرز
ٹوپی وہ جو سر پہ چھال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ

پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو بے نمو پایا
قبضے میں پھر آئی کھوئی شمشیر
روشن نہ ہوا وہ رنگ و روغن
حال رخ و رنگ پر مساوات
پستاں سے قد اسکا شکل تابوت
برگد کی جٹائیں بال اُسکے
چلتی تھی سموم کا سا جھونکا
وہ روسیہ اُسکو سمجھی شوہر
کیجو نہیں دیر جلد آ جا
راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار
ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل
پُر آب تھا چشم منتظر سا
پایا وہی رنگ روپ سارا
بولا وہ کہ شکر ہے خدایا
زنگ آئینہ بدن سے چھوٹا
یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں
اُس پانی سے منہ اور ہاتھ دھوئے
گھوڑوں پہ ہوا کے باندھی کاٹھی
کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس
اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
عریانی میں پردہ حال کی تھی
سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ

گریاں لب حوض اک پری تھی
فوارے کی طرح رو رہی تھی

پر جوش و خروش اُسنے جو پایا
روپوش سے تاج سر اُٹھایا

دیکھا جو پری نے آدمی زاد
آہستہ کہا کہ خانہ برباد

رستہ ترا کھو گیا کہاں سے
کھا جائیگا دیو بھاگ یاں سے

بولا وہ بشر کہ دیو کیسا
ہمکو تو ملا نہ کوئی ایسا

بولی وہ پری کہ جا کہا مان
سر پر ہیں ترے قضا کے سامان

بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے
تم اپنی کہو ہماری کیا ہے

کیوں روتی ہو کس کی یاد میں ہو
کیا رنج ہے کس فساد میں ہو

بولی وہ حسین کہ میں پری ہوں
اس دیو کے بس میں آ گئی ہوں

فردوس کا بادشہ مظفر
روح افزا جسکی ہوں میں دختر

سردار گروہ دیولک کا ہے
سلطان ارم مرا چچا ہے

اک دن میں چلی چچا کے گھر کو
ماندی تھی بکاؤلی خبر کو

رستے سے یہ دیو پھانس لایا
اب تک تو خدا نے ہے بچایا

نام اُس سے بکاؤلی کا سنکر
رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر

پوچھا اُسنے کہ آدمی زاد
تو کیوں رویا کہا کہ فریاد

واں خرمن عیش پر پڑی برق
یاں بحر فسوں میں میں ہوا غرق

واں پھانس چبھی ہے اسکو غم کی
یاں سانس نہیں ہوا ہے دم کی

بولی وہ کہ چھوٹے اگر ہم
رکھئے ترے زخم دل پہ مرہم

بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں
وہ دیو کہاں کہاں تو انساں

دیووں سے کبھی لڑ سکا ہے کوئی
سائے کو پکڑ سکا ہے کوئی

بولا وہ کہ جی بجھا نہ جانی
دیو آگ تو آدمی ہے پانی

ہر چند کہ انس جاں ہیں ہر لاگ
دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ

بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد
وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
یہ کہہ کے جتا دئے جوہر اپنے
ٹوپی جو اُتار لی تھی سر سے
لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا یہ جا کر
یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے
تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو
وہ دیو پری کو اُٹھ کے پا کر
شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی
بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن
وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا
دیکھا جو یہ دیو نے گزارا
وہ سنگ گراں جسے یہ غول
لٹھ اسکا پڑا تو وہ ہوا چور
غل کر کے زمیں پہ گرا دیو
بادل کی طرح جو اُڑ کے دشمن
موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جو اُسکا
سر کیا کو وہ پیکروں کا
ٹوپی کو اُتار کر پری نے
شہزادے نے تاج سر پہ رکھا
فردوس میں جا کے صورت حور
دیووں کی وہ سرکشی سنائی

لاٹھی سے جدا نہو گا پانی
موسیٰ کا عصا ہے اژدہا ہے
سامان دکھائے یکسر اپنے
پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے
ظاہر ہوا ٹوپی کو اُٹھا کر
اُڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے
وہ آدمی سے لے اُڑا پری کو
اُچکا تو پلا ہوا یہ جا کر
جلدی سے پری کے سر پہ رکھ دی
بجلی سا عیاں ہوا یہ پُرفن
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا
بادل سا ہوا اک ہمقدم تھا
پتھر اک اُٹھا کے پھینک مارا
تاثیر سے پھل کی بنگیا پھول
جس طرح عصا سے جام بلور
موجود ہوئے ہزارہا دیو
لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن
ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا
جی چھوٹ گیا دلاوروں کا
چھٹے قدم بشر پری نے
لٹھ کاندھے پہ ڈول سفر پہ رکھا
ماں باپ سے آ ملی وہ مہجور
انساں کی وہ مردمی جتائی

سن سنکے اُڑے حواس اُنکے | لائے نہ یقین قیاس اُنکے
پوچھا کہ وہ ہے کہا کہ ہاں ہے | پوچھا کہ کہاں کہا یہاں ہے
یہ سنتے ہی اُسنے تاج اُٹھایا | خنجر اُنوں کو شعبدہ دکھایا
بال اُسکے وبال سے بڑھے تھے | ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے
تن خاکی تھا جان آتشیں تھی | عریانی قبا ہے پوستیں تھی
صورت سے فقیر تھا بروگی | کی آؤ بھگت سمجھ کے جوگی
حسن آرا اُس پری کی مادر | باپ اُسکا بادشہ مظفر
قدموں پر گرے کہا ادب سے | حُرمت رہی آپ کے سبب سے
بولا وہ خدا خدا کرو واہ | ہے جملہ جہان کا مالک اللہ
قادر وہی کبریا وہی ہے | آخر وہی ابتدا وہی ہے
بولے وہ کہ حق ہے جو ہو فرمان | تم وقت کے اپنے ہو سلیمان
کھولو کمر آؤ لطف فرماؤ | شربت پیو میوہ ہاے تر کھاؤ
بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے | کھانے کا مزا رہا کسے ہے
سیّاح کو کیا قیام سے کار | شبنم نہیں جاگزین گلزار
درویش رواں رہے تو بہتر | آب دریا بہے تو بہتر
روح افزا بول اُٹھی اجی واہ | ہم جانے نہ دینگے تم کو واللہ
آرام کیجے و کرم کرو آؤ | ہم رام ہوے نہ رم کرو آؤ
مجمع سے الگ مکاں میں لائی | آرام کی جا قرار پائی
اصحاب نیاز کھانے لائے | ارباب نشاط گانے آئے
تھا اپنے سوچ میں وہ سنسان | دُھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان
بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا | بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاؤلی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کیساتھ اور تاج الملوک سے ملکر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے | یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا / مژدہ شاہ ارم تک آیا
جانا تھا یگانگی میں لازم / ملنے کو ہوئی جمیلہ عازم
وہ ساکن خانۂ سلاسل / یعنے وہ بکاؤلی بیدل
کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی / خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی
سن کے قیدی کے زار نالے / زنجیر کے پیچ سے نکالے
تخت اُنکی سواریوں کے آئے / اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے
بانوے ارم سے شہ جمیلہ / دخت اسکی بکاؤلی عقیلہ
روح افزا سے ہوئی بغلگیر / صورت پوچھی کہا کہ تقدیر
کہہ سن کے مبارک و سلامت / بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت
روح افزا نے کہا کہ اچھی جان / تم جاؤ رہیں بکاؤلی جان
خاطر سے کہا کہ خیر لیکن / لیجاؤنگی خود میں ساتویں دن
یہ کہہ کے وہ دخت محتشم / آہو سی ارم کو کر گئی رم
روح افزا نے کہا بہن سے / بہتر نہیں کوئی جا چمن سے
گلگشت کریں چلو کہا خیر / کیا جانئے کہ ہوگی سیر میں سیر
چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا / کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا
روح افزا نے کہا کہ ہمشیر / میں نے یہ سُنا کہ تو ہے دلگیر
واللہ کہ چھان کر خدائی / تیرے پیارے کو ڈھونڈھ لائی
سمجھی وہ ہنسی کہا سڑن ہو / نادان ہو کیا کہوں بہن ہو
ہمکو یہ ہنسی نہیں گوارا / پیارا ہووے گا وہ تمھارا
پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں / بدراہ بھی آپ ہو گئیں کیوں
بولی وہ کہ ہم آشنا تمھارا / پیارا نہیں پیاری کا ہی پیارا
گر اسکی تلاش میں میں کھوئی / بدراہ نہ کہہ سکے گا کوئی
جو چاہو کہو جواب کیا دوں / قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

وہ جوگی وہ دھونی اور وہ آسن
دیکھا تو دکھا رہی ہے تقدیر
روح افزا اسی کنج میں واں
دونوں کا بدل تھا وصل منظور
وہ غیرت قمر سپہر ظلم و بیداد
خاطر کی کدورتیں عیاں کیں
رو رو کے پکاری دل افگار
پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے
شکل سے تیرے اپنا تھا منا تھا
تا چشم پھرے تھی شکل مژگاں
گھر میں رہنا گراں تھا میرا
جو کہہ کے سڑک پکارتا تھا
سختی سہی پا کیڑی اٹھا لی
طالع سے کھلی تھی ایسی امید
کیوں کر منہ پہ شفق خوشی سے پھولی
یہ کہہ کے ملے بہم وہ ایسے
اک جان دو تن کے سرو بالا
دربان سی تھی در پہ روح افزا
جب بیٹھے بہم سن نکال کے وہ
بول اٹھی پکار کے کہ واری
وہ بولی مجھے تو کچھ نہ آیا
کیا جانیں ابھی بدا ہے کیا کیا
بارے وہ مہر دو ہفتہ باہم

دکھلایا تو تھی اسی کی جوگن
کوشش کا اثر کشش کی تاثیر
قالب تھی میان جان و جاناں
مانند حجاب ہو گئی دور
دریا رویا سنا کے افتاد
چشموں کی وہ صورتیں بہائیں
بولی کہ خدا کو علم ہے یار
دیدے مرے نقش پا سے تیرے
ہر وقت قضا کا سامنا تھا
ہمسایہ تھے سب کشیدہ داماں
زنجیر کا گھر مکاں تھا میرا
پتھر سا کلیجہ مارتا تھا
افتاد تھی جو پڑی اٹھائی
نکلا ہے کدھر سے آج خورشید
کیا شام وصال راہ بھولی
سنتے ہی خط تو اماں کے جیسے
نسبت کا مزا ہوا دوبالا
تھا پیش نظر حیا کا پردا
وارد ہوئی دیکھ بھال کے وہ
محرم کا ہے کام پردہ داری
تھے گر اب تو نے سکھایا
اس گھر میں سیکھنا ہے کیا کیا
یک ہفتہ رہی انیس و ہمدم

بھیجے ہفتے کی مہمانی
ہر ہفتہ عروس شادمانی

وعدے پہ چھبیلہ ساتویں دن
آئی تو تھا حیلہ غیر ممکن

ساتھ اسکے رواں ہوئی وہ گلرو
ہوش آ سکے ہوا ہوئے تو

چاہا کہ وہ تاج رکھے سر پر
رہتے رہے رو پوش ساتھ چلکر

دامن کو پکڑ کے روح افزا
بولی کہ کدھر گیا ارادہ

الفت کے بہت نہ جوش میں آؤ
کچھ خیر ہے تمکو ہوش میں آؤ

نا فہمی سے خوار ہو چکے ہو
اب تو سیکھو کہ کھو چکے ہو

کار شاطر خود نہ سمجھے
انگارے کو ہاتھ میں نہ لیجے

جلدی تمھیں کیا ضرور دم لو
بیدل نہ ہو قول ابھی قسم لو

گھبراؤ نہ پاس کے نامرادی
غم کھاؤ جو چاہتے ہو شادی

سوچا تو نہ تھا صلاح اچھا
دانائی تھی بات کا سمجھنا

پیغام بھیجنا حسن آرا کا بکاؤلی کی شادی کے واسطے

بیدل نے جگہ جو جی میں پائی
بول خاصے کی زباں کشائی

وہ شکر گزار روح افزا
ہاں سے بولی کہ حسن آرا

واجب ہے ادا سے حق مہماں
احساں کا عوض نہیں جز احساں

حسن آرا نے کہا کہ بہتر
جو اپنے سے ہو نہیں ہیں باہر

بولی وہ کہ یہ شفیق جی کی
ہے عشق بکاؤلی کا روگی

ہیں ایسے سبب نکلی ہوں جی سے
پھیرے سبب ملے پری سے

راز ان کا کیا جو آشکارا
راضی ہوئی سنکے حسن آرا

بلوا کے مصور اک کہن سال
کھنچوائی اس آدمی کی تمثال

وہ صورت تاج ارم میں لائی
خلوت میں چھبیلہ پاس آئی

چھیڑا کہ ہوا ہے عقد پر دیں
پوچھا نہ نہال گل نے تمکیں

واجب نہیں اب تامل اسمیں
بھر لے وہ ہاں [illegible]

بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤں
تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں

سودا ہے مری بکاؤلی کو
ہے چاہ بشر کی باؤلی کو

مشہور ہے ضدّ انس و جانی
یک جا نہیں رکھتے آگ پانی

حسن آرا نے کہا جمیلہ
مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ

کاوش تری بے ثبات ہے یہ
سو بات کی ایک بات ہے یہ

وہ دل جو ہوں جانے پہ راضی
یہ جان لے کیا کرے گا قاضی

بولی وہ جمیلہ ہوش میں آؤ
جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ

تجویز کی آپ کے میں قرباں
لیجاوے مری پری کو انساں

حسن آرا نے کہا کہ خاموش
شعلہ کو کیا ہے گھنے خس پوش

اسباب نہ جمع کر ضرر کے
رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے

بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا
وہ بولی نہ تجھ سے کہتی ہوں کیا

جب دل ہی پری کا آ گیا ہے
انساں ہے تو کیا مضائقہ ہے

انساں ہی تھے حضرت سلیماں
انساں ہی تھے مسیح دوراں

یہ قطرۂ بحر کبریائی
دریا ہے جو ہووے آشنائی

کیا شکوہ اگر پری نہ سمجھے
افسوس جو آدمی نہ سمجھے

دم دھاگے ہیں رشتۂ نفس کے
پھندے میں پھنسا ہے پیش و پس کے

بیاہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں

شادی کے لئے ہو کلک شنجرف
انگشت قبول ویدۂ حیرت

حسن آرا تھی جو نیک تدبیر
دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر

پہچان سکے خال و خط سے انداز
وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز

بولی کہو کیوں کہا کہ مانا
پر کھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا

وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے کہنا
ہنسنے تو سمجھ کے ٹھکیا ہے

ٹھہری یہ غرض کہ آ چکی رات
فیروز شہ آ گئے چھیڑیئے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا
یاد اُسنے کیا بکاؤلی کو
تصویر بشر دکھائی اُسنے
دیکھا تو نہ فرق تھا سرِ مو
نقشے سے وہی نگار پایا
کہنے لگی دل میں یا الٰہی
پیارے سے نہو خلاف وعدہ
دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
روح افزا کا جو آگیا دھیان
جانا کہ بہار فصل سے ہے
اقرار میں تھی جو بجیائی
حسن آرا سے کہا مبارک
سج دھج یہ بنی ادھر بنا کے
سیّارہ شناس کو بلایا
شادی کی خبر سے خوش آئی
راتوں کو جو گنتی تھی ستارے
واں مہندی نے چومے پا ہو خورشید
وہ واں پہ گلاب سے نہائی
واں غازے سے رخ شفق میں خورشید
افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
واں مانگ سے رنگ کہکشاں ماند
واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
آنچل ہوئے واں نقاب عارض

افسانۂ عشق اُسے سُنایا
لے آئی اُڑا کے اُس پری کو
شادی کی خبر سُنائی اُس نے
جا پہنچے خط و خال و چشم و ابرو
قسمت کا لکھا سامنے آیا
شرہو نہ کہیں یہ خیر خواہی
کیا سوچتے ہوں نصیب اعدا
کرتی تھی اُسی کی رُخ نظارہ
تسکین ہوئی آئی جان میں جاں
یہ نقل مطابق اصل سے ہے
شرمائی سجائی مُسکرائی
ایجاب اُسنے کیا مبارک
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آئے
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا
مشتاق کو خوشخبر سنائی
دن گننے لگی خوشی سے بارے
یاں سبز ہوا نہال اُمید
یاں تازگی آبرو نے پائی
یاں جم گیا منہ پہ رنگ امید
یاں جبیں سے روشنی دو چنداں
یاں سلسلہ سر سے ہالے میں چاند
طرہ کلغی پہ یاں تھا سرپیچ
سہرا ہوا یاں خضاب عارض

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا
یاں جامۂ وفا کا اس نے پہنا

محرم کے سے گئے اُدھر بند
ہمت کا بندھا ادھر کمربند

واں گل سے بہار بوستاں تھی
آرائش تخت گل یہاں تھی

الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس
یاں جلوہ فروش تخت طاؤس

مہتاب سے چاندنی کا واں فرش
یاں چرخی سے چرخ میں سر عرش

واں جلوے حنائی اُنگلیوں کے
یاں روشنی کے تھے پنج شاخے

بادل سے وہ واں گرج رہے تھے
یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے

واں پریوں میں ذکر آدمی زاد
نوشہ کے جلو میں یاں پری زاد

گلگوں تھا کسی کا بادرفتار
گلرنگ کسی کا تھا ہوادار

ہاتھی تھے تو مستیوں کی دھت تھی
گھوڑے سے تھے تو داپکی کی لت تھی

وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز
تھا پا بر رکاب شوق مہمیز

ورنگ جو برات ادھر سے آئی
کی سب نے ادھر سے پیشوائی

فیروز مظفر ایسے دو شاہ
پُر نور تھے جیسے مہر اور ماہ

باران گلاب و بارش گل
ہو کر اُترے آ کے با تجمل

سلطان فیروز رشک جم تھا
نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا

ہر پالے بنے کا شور و غل تھا
سنبل کا چنور تو چتر گل تھا

گل سے خوانوں میں زردہ لایا
اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا

خورشید سا آفتابہ لائے
منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے

قلیاں پیے مشکبو دھواں دھار
بیڑے جو چکھے پان کے ہزار

جب عقد کی اُن کے ساعت آئی
دو رشتوں میں اک گرہ لگائی

یکجا کیے وہ عروس و داماد
وہ جان پری یہ آدمی زاد

حیرت نے آئینہ دکھایا
شربت دیدار سے پلایا

زلفیں ہوئیں چہرے کی بلائیں
پڑنا وہ نگاہیں سحر آگیں

جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا — اسپند نگاہ بد بدل تھا
جو ڑ ی جو ملی بنے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جوگا تیں تھیں شہانے گا ہیں — لیتے ہوئے نیگ راگ لائیں
حق پا کے جو رکھتی تھیں قدامت — بول اٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا — خلوت میں دولھا دولھن کو چھوڑا
پر یاں کہ ہزار ہا بھری تھیں — ارمان سے سب وہاں سے نکلیں
بے پردگی ہوئی تھی جو انہیں — دروازوں نے بند کر لیں آنکھیں
طومار حجاب کو کیا سطے — ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دولھن سے نوشاہ — صحبت ہوئی دختِ رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشکِ جام سرشار — لبریز ہوئی شرابِ دیدار
گردن تھی صراحی مے ناب — ہاتھ آئی وہ پھر مستیِ خواب
جب اوڑھی عروس مہ نے چادر — نکلا پردے سے شاہِ خاور
ثابت وہ جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنی وہ دولھا دولھن سحرگاہ — نکلے آرامگہ سے دلخواہ
منہ گھر کو براتیوں نے موڑا — محظوظ وہ دولھا دولھن کو چھوڑا
وہ حوضِ گلاب میں نہایا — یاں رخ پہ عرقِ گلاب پایا
واں جوڑا جیسے تنگ بدلا — یاں جوڑے کے منہ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پردے میں چھیڑ تھی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاؤلی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جو آپ سرِ وطن ہے — گلاب وہ زباں پہ حرف زن ہے
شادی ہو کر وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا ہیں خانہ داماد
غربت میں وطن کی دھن سمائی — اس فیل کو یادِ ہند آئی
خلوت میں ہوا پری سے گویا — دنیا میں ہیں سب وطن کو جویا

پانی تہ خاک کو رواں ہے — تو شعلہ کی سوئے آسماں ہے
عزم سفر وطن سمجھ کر — بولی وہ بکاؤلی کہ بہتر
چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر — رہیے گا تو بندگی میں کیا عذر
ہاتھ اسکا پکڑ کے باہر آئی — ماں باپ کے پاس دختر آئی
ہوتے ہی دو چار خویش و دختر — دو سے ہوے چار اس جگہ پر
وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد — جو تھا ان میں یہ آدمی زاد
چومی اسنے زمین خدمت — غربت سے وطن کی چاہی رخصت
فیروز شہ و جمیلہ بانو — دونوں ہوے سنکے سر بہ زانو
غوطے میں جو آ گئے وہ یکسر — بولی ماں باپ سے وہ دختر
پردیسیوں سے جو کی ہو نسبت — اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت
دعوے نہیں کچھ دیے ہوے پر — قائم رہیے کیے ہوے پر
لازم جو ہو انہیں کہ نہ کیجے — سائل کا سوال رد نہ کیجے
بولے وہ کہ بخت تھا زبردست — خورشید کو ذرے نے کیا پست
انسان سے جھکی پری کی گردن — کانٹے سے رکا ہوا کا دامن
یہ کہہ کے منگائے دو ہوا دار — تنلو دیو بلائے باد رفتار
ہو کر دیوؤں کے زینت دوش — رخصت وہ ادھر ہوے ادھر ہوش
اشکوں سے شگون لیا نرالا — آئینہ رخ پہ پانی ڈالا
سونپا مختار کو جو مجبور — گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور
آئے تو وہ باغ سحر بنیاد — تھا آب و ہوائے خوش سے آباد
خیل و خدم اسکے منتظر تھے — مانند حواس منتشر تھے
پہچان کے سب نے غل مچایا — آیا تاج الملوک آیا
داخل جو ہوے محل کے اندر — محمودہ لپکی دوڑی دلبر
پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو — دیکھو یہ کون ہیں قدم لو

دلبر یہ وہی بکاولی ہے — محمودہ دیکھ کیا پری ہے
سبحان اللہ کہہ کے دلبر — بولی کہ یہ گھر ہوا منور
محمودہ نے کہا مبارک — خشنودی آشنا مبارک
اُن مختصروں نے جب دیا طول — بولی وہ بکاولی کہ مقبول
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار — خوش پوش ہو ایک جوڑے دو چار
در پردہ رہیں وہ ذی ہوش — ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاولی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج — اب یوں نے خامہ ہے نوا سنج
از بسکہ یہ چرخ فتنہ انگیز — ہے خرمن عیش پر شرر ریز
یک چند وہ مہ تھی کاہشوں میں — گذری اک عمر خواہشوں میں
تقدیر سے جب مراد پائی — راجہ اندر کو یاد آئی
اندراسن آم نگر ہے شہر ایک — خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اندر ہے بادشاہ اسکا — آسن ہے تخت گاہ اسکا
مضمون وہ قضا سے اسقدر ہے — اُس بستی کا نام امر نگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں — روحانیوں کا نشیمن اسمیں
کہتے ہیں مور خان ہندی — آباد ہوا یہ ہے وہ بستی
راجا کہ کمال پارسا ہے — مقبول جناب کبریا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اسکو — نغمے سے ہے ذوق شوق اُسکو
انسان کا سرود و رقص کیا ہے — پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
باری باری سے جو پری ہے — راجہ اندر کی مجرئی ہے
لیکن جو بکاولی دل افگار — باری پہ پہنچ سکی نہ بیزار
اک شب راجہ تھا محفل آرا — یاد آئی بکاولی دل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے — شہزادی بکاولی کدھر ہے

منھ پھیر کے ایک مسکرائی
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا
ناتا پریوں سے اسنے توڑا
وہ حسن کے خفا ہوا کہا جاؤ
پریاں اُڑیں اوپر اوپر آئیں
دیکھا تو وہ دونوں کرتی تھے خواب
ہمبستر آدمی پری تھی
غافل جو ہُو کا اُس نے پایا
جاگی تو سب اُسکے جوڑ کی تھیں
بولیں کہ طلب کیا ہے چلیے
اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
ساتھ اسکے وہ تا بہ محفل آئی
راجہ نے نگاہ کی غضب سے
بو آتی ہے آدمی کی لے جاؤ
شعلہ سا پری کا جسم کا بنا
پریوں نے کشاں کشاں نکالا
کافور سی جل اُٹھی سراپا
جو آتش گل نہ لے چمن سے
جس رخ پہ تھی کاکل معنبر
جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
جیسے نفس ایک خضر آئی
شعلے سے زیادہ پاک داماں

آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
بولیں وہ کہ کیجیے ادب کیا
رشتہ ایک آدمی سے جوڑا
جسطرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ
مہتابی پہ مثل ابر چھائیں
گل تکیے تھے آفتاب و مہتاب
سناٹے کے بغل میں چاندنی تھی
اُس نقش مراد کو جگایا
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں
جوڑا یہ خراب ہے بدلیے
بدلا مانند رنگ جوڑا
لرزاں لرزاں مقابل آئی
پوچھا کہ یہ بیحیائی کب سے
ناپاک ہے آگ اُسے دکھا لاؤ
منھ دامن اشک تر سے ڈھانپا
صندل آتشکدے میں ڈالا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جنھیں جلایا
جھونکا اُسے آگ میں جلن سے
تھا چشم زدن میں دود اخگر
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی
اخگر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غیر ناچار
اغیار ادا سے کر لیے یار
برخاست کا وقت صبحدم تھا
راجہ کہ وہ صاحب کرم تھا
بولا جا یوں ہی آئیو روز
جل بجھ کے سدا سنائیو سوز
رخصت پاتے ہی وہ ہوائی
پرّاں پرّاں ہوا سی آئی
پشواز کنارے حوض اُتاری
شب کی پوشاک پہنی ساری
بیتاب آراگہ تک آئی
ہمخواب کی آنکھ بند پائی
یوں سیج پہ آکے سوئی بیتاب
جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب
وہ آہوئے مست خواب خرگوش
یعنی تاج الملوک بیہوش
اُس شب کو بغل میں آکے جاگا
پر دوسری شب وہ جاگے جاگا
دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے
پہلو میں جگر کے دم نہیں ہے
حاجت کی گماں سے جب ہوئی دیر
جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر
دائیں دیکھا نظر نہ آئی
بائیں دیکھا کہیں نہ پائی
عورت بھی گماں بد سے کھٹکا
جانا کہیں دل کسی سے اٹکا
اژدر نظر آیا ڈر کا سایہ
سمجھا وہ پلنگ چار پایہ
آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا
پل مارتے ہو گیا سویرا
جاگا تو پری بغل میں پائی
وہ نقش وفا عمل میں آئی
دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب
گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب
جب مہر ڈھلک گیا لب بام
مہتابی پہ آیا وہ سر شام
معمول سے بزم میں ہوئے جمع
مینا و کباب و مجمر و شمع
جام اُسنے بھرا کہا پیا لے
دل اسکا بھرا تھا جام کیا لے
ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
دیکھوں جاتی کہاں ہے عیار
بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور
میں آج نہ ہونگا شامل دور
ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا
شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوک شیشہ خنجر
چمڑکے لگے اسکے انگلیوں پر
بیداری شب کی گھات پائی
ظلمت سر دست ہاتھ آئی
کف میں نمکیں کباب لے کر
چھڑکا نمک ان جراحتوں پر
بند آنکھیں کیے ہوئے شکر لب
بیدار رہا تو آخر شب
پریوں نے ہوا سے تخت اتارا
ثابت ہوا ٹوٹتا ستارا
سوتا اسے جان کر اٹھی وہ
پوشاک بدلنے کو گئی وہ
اس تخت کا یہ پکڑکے پایہ
پوشیدہ ہوا برنگ سایہ
بن ٹھن کے جب آئی رشک ناہید
ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
جاتے ہی زمیں سے آسماں پر
پہونچی اس بزم میں سماں پر
لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
پر صوت و صدا وہ دائرہ تھا
ٹھٹکے یہ پہونچ کے تخت ٹھہرا
مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا
آشفتہ پریوں نے بنا کر
پھینکا اسے پھول سا اٹھا کر
شہزادہ کہ زیر تخت زر کار
تھا پہلوے گل میں صورت خار
فریاد نہ کرنے پایا مضطر
تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر
راجہ جس رخ تھا محفل آرا
دل لیتی ہوئی چلی دل آرا
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
محفل میں جو آئی شمع محفل
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
جوگانی تھیں بیٹھی شکل آواز
مجرے کو اٹھی وہ صورت ناز
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی
خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی
رقص اسکا اگرچہ خوشنما تھا
سنگت کا پکھاوجی ٹھکا تھا
شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں
لیں طبلہ نواز کی بلائیں
آہستہ کہا کہو تو آؤں
فرماؤ تو بندگی بجاؤں
اس نے جو پکھاوج اسکو دیدی
کیفیت اتفاق نے دی

تھا سم پہ یہ اُس پری کا نقشا — سب آنکھ بچا کے کہتے تھے آ
محفوظ کیا جو سب کو اکبار — بخشا راجہ نے نو لکھا ہار
انداز سے اُس نے لیکے مالا — کاندھے پہ پکھاوجی کے ڈالا
برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار — برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار
لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور — چھپاں ہوا زیر تخت اسی طور
بادِ سحری چلی جو سن سے — وہ شمع سدھاری انجمن سے
خورشید سے پہلے اوڑ کر آئی — تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی
وہ حوض کے رُخ چلی اُتر کر — یہ آنکھ بچا کے سوئے بستر
وہ آئی تو غافل اسکو پایا — آغوش میں آ گلے لگایا
جب پردۂ صبح ہو گیا فاش — خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
اُس غنچہ دہن کا مسکرانا — بے رنگ بکاؤلی نے جانا
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں — ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں
بولا وہ کہ خواب دیکھا تھا — آتش پہ کباب دیکھا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر — دلسوزی کرے گا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو افق میں — خورشید تھا آتش شفق میں
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز — عالم میں رہو گے رونق افروز
بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا — گلزار خلیل ریز برد تھا
بولی وہ بشر ہو تم دلاور — سرسبز ہو قوم آتشی پر
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں — شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں
بولی وہ کہ شعلہ میں پری ہوں — جو ناچ نچاؤ ناچتی ہوں
بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا — بخشا مہ انجمن نے ہالا
ہالہ مہِ انجمن کا کیا تھا — وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے — بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے

کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا — پہچانتی ہو وہ طبلے والا
کیوں جی یہ اکیلے شب کو جانا — اوپر اوپر مزے اڑانا
یہ سن کے پری وہ سوختہ تن — بولی کہ سن اے صلاح دشمن
میں جاکے جلی تو غم نہیں ہاے — ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو — تم نام نہ واں سے چلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے — جلتا پہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہوگا مجھ سے — میں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اُسے وہ دانا — لیکن اسنے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت — یا قسمت یا نصیب یا بخت
واں جاکے وہ سوچی اسکو لاگ — لے چلیے تو راجہ لائیگا راگ
سنگت کا پکھاوجی بنا کے — گائی یہ غزل مقام پا کے

غزل

ساقی قدح شراب دے دے — مہتاب نہیں آفتاب دے دے
ساقی باقی جو کچھ ہو لے لے — باقی ساقی شراب دے دے
اُس بت سے نہیں سوال کچھ اور — اپنے منہ سے جواب دے دے
لیلےٰ میں نے تجھے بنایا — مجنوں مجھ کو خطاب دے دے
اُس گل سے نسیم زر نہیں مانگ — جو چاہیے وہ بے حساب دے دے

تصنیف پتھر ہو جانا بکاؤلی کا راجہ اندر کی بد دعا سے اور بتخانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے اور کھُدنا بتخانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری — یوں ہے کہ قلم ہوا ہے بھاری
خوش لہجہ بہت بکاؤلی تھی — گاتی اور ناچتی بڑی تھی
راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے — جو چاہیے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اسی پکھاوجی کو — مانگا کہ یہ دو بکاؤلی کو
ارمان یہی ہوس یہی ہے — خاطر کی مراد بس یہی ہے

مانگا جو بشر پری نے بیباک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب
کھویا ہے تجھے تیری آرزو نے
کی ہے حرکت خلاف آئین
اس سختی سے کچھ دنوں رہو تو
قالب ترا انقلاب کھائے
بارہ برس اس طرح گزر کر
اس وقت جہاں تو چاہے جائے
روئی وہ بکاؤلی یہ سن کے
خواہش جو بلائے جاں ہوئی وہ
ناری تھی پری ہوا اتباتی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں مخمل
چشمہ اک آفتاب سا تھا
پریاں کچھ ادھر نہانے آئیں
بولیں یہ وہی کھاوچی سے
وہ چونک کے بول اٹھا کہ للہ
اندر کے غضب سے بنگئے پتھر
پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور
یہ کہکے اتاری سب نے پوشاک
پروے کا جو کچھ خیال آیا
بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
سوچا وہ کہ انکو دیکھئے چل

راجہ اندر ہوا غضبناک
سلے چشمہ آفتاب سے آب
جا تیری سزا یہی کہ تو نے
پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
بعد اسکے خاک میں سے نکلے تو
جامے میں تو آدمی کے آئے
پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
تو اسکو ملے وہ تجھ کو پائے
تڑپا شہزادہ سر کو دھن کے
ٹکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
افتادہ کو سوچنے لگا وہ
صحرا میں بچھی تھی سو گیا شل
عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
عاشق جس پر بکاؤلی ہے
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ
ہے بہت سی وہ ایک مٹکے اندر
بولا وہ کہ پھر کہا کہ مجبور
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک
تن چادر آب سے چھپایا
موجیں باہم اڑا رہی تھیں
حس پوش سکے وہ جامۂ گل

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
جھلک جھلک کے بدن چرائی آئیں
دکھلائی کسی نے چشم جادو
جھنجھلا کے کہا کہ لاؤ مانو
بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
پوشاک جو لینی ہو تو پہونچاؤ
عریانی کے ننگ سے بچائیں
شہزادے نے کرکے پاس انکا
پریاں ہوئیں رخصت سج کے چرند
شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
واقف اس بتکدے سے تھیں وہ
وہ جا کے بکاؤلی بتائی
بتخانے میں تھا طلسم کا در
عقدہ کھلا شام ہو کر اسکا
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر
تھی ناف سے لیکے تا بپا سنگ
چومے جو قدم اس آدمی نے
نرمی سے کہا بخیر گذری
ہمیں تو پڑے وہاں پہ پتھر
گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم
جب یہ تم پاس کھینچ لایا
تا آخر شب فسانے کہہ کر

باہر بصد آب و تاب آئیں
جانا کہ حریف نے اڑائی
رک رک کے قدم بڑھاتی آئیں
چمکائی کسی نے تیغ ابرو
ہمکو بھی بکاؤلی نہ جانو
ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو
بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ
ستار کی قسمیں سب نے کھائیں
خلعت سا دیا لباس انکا
ہو جیسے ہوا حباب میں بند
اس گل کو اڑایا صورت بو
سنگلدیپ اسکو لے گئیں وہ
دیوانے کو باؤلی بتائی
ششدر رہا چار سمت پھر کر
شق مثل قمر ہوا در اسکا
جسم آدھا پری کا تھا آدھا پتھر
تھا کوہ سرین کے آگے پا سنگ
سینے سے لگا لیا پری نے
کس سختی سے تم بغیر گذری
تم سمجھو مگر سنے کہا مقدر
پھر پریوں سے کہ ہمسے اڑے ہم
سختی اب دور ہو خدایا
بولی وہ پری کہ اسے دلاور

یہ در مانند چشم بیخواب
پیش از دم صبح تم نکل جاؤ
مصرف کو جو ہو ضرورت زر
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے
صدقے وہ بشر ہوا پری کے
بالوں اُسکے چھوے تو تیغ ہو پالئے
نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر
آنکھوں سے یہ دیکھتا ہوا گھر
بازار میں جاکے بیچے گوہر
گھوڑا جوڑا نفر حویلی
جب منزل شب میں رہرو روز
گنبد گردوں کا تھا جو بے زر
سیاروں سے کرکے استخارہ
دیکھا تو در قبول وا تھا
شب سایۂ زلف میں بسر کی
تقدیر نے راستہ بھلایا
تھا وقت اُس کی ماہ پارہ
دیکھا تو جواں تھا یہ تصویر
یاں پردہ در نظر سے گذرا
دستور تھا جسکو بیٹی چاہے
راجہ سے خوش خبر بیاں کی
شادی کی خبر سے وہ یکایک
اُس شہر کا چتر سین راجا

ہوتا ہے سحر کو بند بیتاب
کل پھر سر شام خیر سے آؤ
زیور مرا مجھ سے لو یہ کہہ کر
دامن پہ مثال اشک ڈالے
قدموں پہ گرا بکا دلی کے
آنسو چھوڑے گہر اُٹھا لئے
پتھر انگوٹھی چشم حلقۂ در
آگے کو بڑھا چلا سوے شہر
مفلس سے ہوا وہ صاحب زر
جو جو شے چاہیے تھی لے لی
لے گوہر شبنم آیا پُرسوز
تاباں ہوئے اسمیں ماہ و اختر
اُس برج کے رخ وہ مہ سدھارا
رگڑا انھیں ایڑیوں پہ ماتھا
لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
راجہ کے محل کے جانب آیا
غرفے میں سے کرتی تھی نظارہ
صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر
دل تیر نظر جگر سے گذرا
باپ اسکا اسی کے ساتھ بیاہے
مشاطہ خوش ادا رواں کی
خوش خوش آئی کہا مبارک
دختر رکھتا ہے ماہ سیما

ہر ملک کے شہریار آئے
ہر شہر کے تاجدار آئے
راضی بجھ سے ہوئی وہ بے پیر
طالع قسمت نصیب تقدیر
بیجا وہ ہوا کہا کہ جا جا
کیسی رانی کہاں کا راجا
دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ
غنچے کی گرہ میں کیا ہے جز داغ
الفت میں ہے آبرو گنوانی
کب چشمۂ مہر میں ہے پانی
مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
دُر ہو مرے سامنے سے چل دور
ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ
پایا جو جواب منتظر نے
آنکھوں میں لگا خیال پھرنے
تقدیر کی بات ہونے والی
زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی
من سائٹ کاران سے نکالا
بازار آیا وہ سرو بالا
کیا جوہری مول کرتے اسکا
راجہ تک رفتہ رفتہ پہونچا
جو مدعی عوض کا مدعا تھا
موقع وہ ملا تو کیا برا تھا
جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
سمجھا کے دبا کے دست پا کے
من چین کے چوری کے بہانے
بھیجا کھلے بندوں قید خانے
زنداں میں وہ نیم جان و بسمل
زنجیر میں پاؤں زلف میں دل
غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا
دم کے دھاگوں سے ہونٹ سینا
داروغۂ محبس خفا نے
رانی سے کہا کسی بہانے
یوسف کی خبر نے او زلیخا
زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا
اس چاہ میں کام ہو نہ جائے
یہ ماہ تمام ہو نہ جائے
دانا تھی وہ جیلخانے آئی
بگڑے ہوئے کو بنانے آئی
دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر
تھی حلقہ بہ حلقہ زلف و زنجیر
آنکھ اس سے نہ جب ملائی اسنے
زنجیر اسکی ہلائی اسنے
پابند بلا وہ مبتلا تھا
کب اُسکو خیال شیدا یا تھا

رانی نے جو بیدلی نگہ کی
بڑی کڑوائی بے گنہ کی

قدموں پہ گری کہا اٹھو آؤ
انکار و گریز جانے دو آؤ

اٹھا وہ پری کی آرزو میں
یہ سمجھی کہ تھا نشا گفتگو میں

واں دھن کہ صنم سے کدخدا ہوں
یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں

تجویز میں اپنے اپنے مفہوم
آئی تو محل میں مچ گئی دھوم

راجہ نے شتارہ واں کا بلایا
سعدین کا زائچہ ملایا

دن ڈھل کے وہ ماہ تو سر شام
غائب ہوا سیر کر کے کچھ گام

دروازے کا مٹھ کے دیدہ وا تھا
توبہ کا در کھلا ہوا تھا

آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ
دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ

دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ
تلووں سے پری کے لگ گئی آگ

پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی
کس راہ کی زن نے رہزنی کی

توفیق یہاں تلک جو لائی
مہندی پاؤں کی گھس نہ جائی

قدموں سے لگا پیا ہوا وہ
مہندی کا جو رنگ تھا کہا وہ

رانی کی وہ مہر سرگرانی
راجہ کی وہ قہر حکمرانی

من بھتے اپنا قید ہونا
داموں کے لیے وہ صید ہونا

چترادت کا وہ آپ آنا
سب کہہ کے کہا خدا سے دانا

شادی نہیں کچھ خوشی سے بانی
بے تیرے تھی مرگ زندگانی

غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا
شادی کے بہانے غم سے چھوٹا

پیارے یہ نہیں حنائی جنگال
ہاتھ ایسے ملے کہ ہو گئے لال

زنجیروں سے پا دل نے نکالا
زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا

کاٹے ڈسیں بال اگر چھوٹے ہوں
چھالے پڑیں گال اگر چھوٹے ہوں

بگڑا ہی وہ کہ چل بنا نہ باتیں
تجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں

میری تجھے ایسی کیا لگی تھی
تلووں سے ترے حنا لگی تھی

تنگ آیا تو دیکھہ قید خانہ
پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں
سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی
اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن
کب چاہیگی عقل مصلحت سنج
راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
وہ منتقد اسکے پاؤں چھو کر
آیا تو وہ نو عروس زیبا
نیند آئی جو تھی بصد کدورت
سوئی تو تھی انتظار میں وہ
سونے جو کٹی شب جوانی
تھے صبح سے دونوں شام جویاں
دونوں تھے تصوروں میں کامل
دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے
کروٹ سے گر وہ عنبریں مو
چپکی ہوئی بیٹھ سے وہ دلگیر
حسرت چھائی تو کھو گئی وہ
غافل اُسے چھوڑکر اُٹھا یہ
یہ جاگتے ہوئی وہ فتنہ بیدار
دوری نے جو حد سے کی درازی
اُس رات کو چپکی ہو رہی وہ
وقت سحر اسکو پاسکے رانی

آسان نہیں کڑی اُٹھانا
فولاد جگر کہو تو میں ہوں
آرایش جاں نہ تند رستی
سنگینی گران نہ جلنے کا داغ
پتھر کے تلے دبا ہے دامن
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
اُٹھا چھپائی پہ رکھ گئے پتھر
بستر پہ بھی تشکل نقش دیبا
تھی چین جبیں شکن کی صورت
جاگی تو ملا کنار میں وہ
سوختہ نصیبی اپنی جانی
شب کو ہوے داخل شبستاں
خلوت خانہ تھا گوشۂ دل
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
اُٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
غفلت آئی تو سو گئی وہ
ایکا تو پری کے رُخ گیا یہ
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
کل سمجھو گی کہہ کے سو رہی وہ
ہم بستر خواب سرگرانی

خلوت خانے سے باہر آئی — دربانوں کے پاس در پہ آئی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج — جانا ہمراہ صاحب تاج
سایے کی طرح سے ساتھ رہنا — جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
جسوقت چلا پری کا مانوس — سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
وہ مٹھ وہ پری مقام دیکھا — وہ برج وہ مقام دیکھا
اک اُن میں سے رانی پاس آیا — کی عرض کہ لو سراغ پایا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے — اک مٹھ میں مورت اک پری ہے
آنکھوں سے اس انجمن کو دیکھا — یکجا بُت و برہمن کو دیکھا
لعل و گہر ایک دُرج میں ہے — شمس و قمر ایک بُرج میں ہے
آنکھ اسکی یہ سنکے خوں میں ڈوبی — مریخ بنی وہ ماہ خوبی
یاں اُسنے کہا وہ برج کھدواؤ — واں بولی بکاؤلی کہ لو جاؤ
یاں سے چلے لوگ واں سے وہ زار — لیکا یہ ادھر اُدھر وہ خونخوار
توڑا وہ مٹھ حباب آسا — پھوڑا جلے دل کا آبلہ سا
شہزادے کے آگئے پسینے — انعام دیا کھلے خزانے
پاس اُسکا ذرا نہیں کیا کچھ — اور اُس سے کہا کہ لو سُنا کچھ
بنیاد و بنا کھدوائی — جاسوسوں نے کھود کر نکالی
غائب رہتے تھے روز و شب جو — اب دیکھوگے جا کے خاک تھی جو
سنتے ہی وہ بیقرار لیکا — دوڑا بے اختیار لیکا
دیکھا تو وہ ماہرو نہ وہ بُرج — وہ لعل گراں بہا نہ وہ دُرج
شور اُسنے کیا کہ کیا یہ شر ہے — آواز آئی کہ بے خبر ہے
بنیاد برافگنی کی بانی — ہے سوت مری وہ تیری رانی
کھدوایا جب اُسنے مٹھ بصد جور — رہنے کو ملا نہیں مکان اور
واں ٹھوکریں کھائی سخت تھیں سنگ — سنگست بجائے خویشتن سنگ

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے — جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے
حیرت زدہ چپ خموش سنسان — ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان
آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی — گویا وہ ہوا سخن بیانی
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں — تو خارسی بیخ کن ہوئی کیوں
دوراں کو تھا انقلاب منظور — مختار خدا ہے بندہ مجبور
اُس دن سے ہوا وہ اُس سے مانوس — راتوں کو رہے وہ شمع و فانوس
جب کام روا ہوئی وہ رانی — گذری یہ ہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہو اب قلم کا دہقاں — صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں
جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد — جیسے کہ ہو گرد باد برباد
دہقاں تھے نئی زمیں کے جویا — سرسوں کا کھیت اُنھوں نے بویا
جب چمن سے کر چکے تردد — کھیتی کی ہوئی زمیں پہ واشد
دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ — کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا — سرسوں سا ہتھیلی پہ جم آیا
وہ بانجھ تھی جب حمل سے ہولی — سرسوں آنکھوں میں سب کی پھولی
ایام مقرری گذر کر — پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
صورت میں پری جمال میں حور — فلفل سی وہ ماں تھی پیش کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ — لوگ آنے لگے پئے نظارہ
وہ منتظر ظہور نیرنگ — یعنے تاج الملوک دلتنگ
پھر جا سُنکر چلا کہ دیکھوں — دیکھا تو کھپا نظر میں افسوں
جانا کہ پری وہ سوختہ تن — سانچے میں سے ڈھل کے نکلی کندن
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا — اندر کا وہ قول یاد آیا
دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے — دولت صدقے یہ سیمبر دے

دہقاں سے کہا کہ میرے صاحب
دختر جو پسند یہ لقا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز
دن دن اسے ہو گیا قیامت
چلتی تو زمیں پہ سرو گرتے
خواہاں ہوئے ہمو قار اُسکے
کہہ بے سر برگی اپنی دہقاں
شہزادے نے ایک دن پھر آکر
دہقاں سے کہا کہ یا شہنشاہ
صحبت ہے برابری میں زیبا
دہقاں زادی وہ سبلے محابا
خواہاں سے مرے نہونا ناخوش
مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
گذرا بارے جو عہد سختی
دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
واں تھا کسی وقت کا دفینہ
کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
اک آدمی زاد کی بدولت
ناگاہ سمن پری لیے تخت
رخت اُسنے سنبھ کے تخت اُڑایا

یہ باتیں نہیں تمھیں مناسب
بکتی نہیں لعل بے بہا ہے
جبتک کہ ہو کام کا نہیں بار
عورت ہو جواں تو نکلے کچھ کام
آیا کیا اسکو دیکھنے روز
بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
دہقاں ہوئے خواستگار اُسکے
بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں
شادی کو کہا حیا اُٹھا کر
تم کو وقار میں برکاہ
نسبت ہے برادری میں زیبا
بول اُٹھی کبھی آن سے کہ بابا
ہے دختر رز نصیب مے کش
وقت آنے کا منتظر رہا وہ
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن
آئے ایام نیک بختی
پچھواڑے مکاں کے لیگئی ساتھ
دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ
تو کیا جانے بگاولی ہوں
لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت
داماں نظر سے منھ چھپایا

چترا وت کا محل جدھر تھا — سوتا جس رخ وہ سیمبر تھا
واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں — پروانے کے اپنے شمع بالیں
بیدار کیا وہ ماہ پیکر — جاگا تو تھا آفتاب سر پر
اُٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی — آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی
مُنہ دیکھتے ہی بکاؤلی کا — سایہ اُسے ہو گیا پری کا
بولی وہ بکاؤلی سیانی — ہے سوت مری یہی وہ رانی
بولا وہ کہ لونڈی ہے تمہاری — یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری
جوتی ہے مری تو ہاتھ اِن کے — چل آ کہ چلا میں ساتھ اِن کے
رانی نے کہا کہ گو یہ ہی غیر — ہیں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر
یہ بات بکاؤلی کو بھائی — شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی
اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں — کیا دور تھا گلشن نگاریں
مدت کے جو بعد گھر میں آئے — کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے
فردوس کی بیسوا، وہ دلبر — محمودہ دیو کی دختر
چترا وت چتر سین کی جان — آرام ارم بکاؤلی جان
ان چاروں میں ایک مست بادہ — پورب کا پادشاہ زادہ
پانچوں سر پنجۂ وفا تھے — یا خمسۂ مطلع صفا تھے
ہوتے ہی حواس خمسہ مجموع — آمد ہوئی اقربا کی مسموع
فیروز شہ و جمیلہ دانا — حسن آرا اور روح افزا
پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو — اطراف سے مملکت کے ہیں جو
جو جو آیا بلا تکلف — اک قافلے سے ملا وہ یوسف
سلطانوں کی قدردانیاں کیں — مہمانوں کی میزبانیاں کیں
چندے رہا مجمع بدو نیک — رخصت ہوئے رفتہ رفتہ ایک ایک
روح افزا سے بکاؤلی کو — الفت تھی روکی دل لگی کو

رکتا ہوا اُس پری کا مشکل یہ دل لگی اب لگا دے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیر زادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاؤلی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم پہ داستاں آئی یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
روح افزا کو بکاؤلی نے روکا جو یہاں گئی سینے
اک شب کہ وہ زلف مہ رخاں تھی یا آتش مہر کا دخاں تھی
وہ مست مئے فسانہ گوئی مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
سلطاں کا وزیر زادہ بہرام گلگشت چمن میں تھا گل اندام
لٹکی دیکھی پری کی چوٹی ناگن سی اسکے دل پہ لوٹی
کھٹکے سے مگر بکاؤلی کے بھاگا سائے سے اُس پری کے
جب کاکل شب سے رخ خورشید تاباں ہوا بہر چشم امید
دیکھا تو ماہ نو کا تھا برج رکھتا تھا در یگانہ وہ درج
بیتابی نے کچھ قرار پایا مجبوری میں اختیار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی، سائے نے پری پہ کی چڑھائی
اس فتنہ کے خوابگہ تک آیا مانند شُہا وہ مہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی ناگاہ وہ مست خواب چونکی
آغوش کی موج سے وہ مضطر مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر
پیچھا کیے صحن تک وہ آیا مہتاب کے پیچھے جیسے سایا
ملتی اُسے خاک وہ ہوائی انسان کو پری نہ ہاتھ آئی
ہوتے ہی سحر وہ روح افزا رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا
معشوق سے رہ گیا جو ناکام تھا غم سے کنار گور بہرام
تنہا وہ سمن پری تھی اک روز قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدا سے روح آفزا
بولی وہ از سے بشر بڑی ہے
شہزادے کے ڈھنگ پر نہ تو چل
بولا وہ کہ مجھ سے اُس نے ہی راہ
واقف تھی پری کے دیس سے وہ
فردوس میں مالن ایک تھی جو ہر
پوشیدہ گھر اُسکے لائی اُسکو
فردوس کی سیر کے بہانے
روح افزا کے لیے بنفشہ
حاجت کو ذرا گئی جو باہر
تحریر کیا کہ بے مروت
افسوس نہ مجھے تو آرزو ہو
لیکن تو زبسکہ خود نما ہے
یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی
روح افزا کا سنگار کرکے
اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا
مضمون جو پڑھا پری تھی دانا
مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی
ہاتھ آکر جو نہ پائے وہ کون
سوچی تو نہ بوجھی وہ کہا کل
بہرام اُس سوچ کو سمجھ کر
وہ جانتا تھا نہ اُسکو سوجھی
ہاتھ آکے نہ پائے جو وہ مجذوب

مرتا ہوں برائے روح افزا
روح افزا کیا بکاؤلی ہے
ہمتا ہے فلک نہ ہوگا بادل
شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ
لے پہونچی زنانے بھیس سے وہ
گل چہرہ پری بنفشہ مشہور
مُنھ بولی بہن بنائی اُسکو
چھوڑا منزل پہ رہنما نے
گلدستہ بنائی تھی ہمیشہ
بہرام نے پشت آئینہ پر
آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت
اور آئینہ تیرے رو برو ہو
خود بینی سے جو کرے بجا ہے
گلدستہ پری کے پاس لائی
محو اُس کی ہوئی جو پیار کرکے
خط سمجھی وہ کا کلوں کا سایا
نقش عمل نگار جانا
بولی کہ بتا تو یہ پہیلی
ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون
کھدوں گی یہ کہہ کے آئی بیکل
بولا کیا ہے کہا اُسے سمجھ کر
بولا تو بات کیا ہے بوجھی
ہو کر نہ دکھائی دے وہ مجذوب

وہ سنکے جو دوسرے دن آئی
سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ
بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی
روح افزا نے کہا کہ نادان
بولی وہ ابھی چیلی میں لائی
اس مژدے کا منتظر ہی تھا وہ
امرد کا لباس تھا زنانا
پوچھا کہو نام کیا کہا ننگ
یہ سنکے اشارے سے بٹھایا
وہ جاکے کہا یہ پردہ پوشی
بہرام ہے تو ارے وہی چور
بدبیں سمجھ کے گور کا نام
طوق اُس کو طلسم کا پہنایا
دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی
غماز تھی اک خواص اُسکی
ک دن پنجرا اُڑا اسکے لائی
کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
گستاخ جو اُس بشر کو پایا
لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
گ اُسکو لے چلے جلانے
ہزادہ بکاؤلی کے ہمراہ
یکھا تو وزیر زادہ بہرام
جلنے سے پناہ دے کے اُسکو

تقریر سُنی ہوئی سُنائی
پوچھا کس نے بتائی ہے یہ
منھ بولی بہن نے میری بوجھی
ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں
جا کر طلبی اُسے سُنائی
ساتھ اُسکے زنانے میں گیا وہ
ڈھونکا کچھ کھا گئی وہ دانا
پوچھا کہ نشان کہا دل تنگ
بادام بنفشہ کو دکھایا
گندم کے بہانے جو فروشی
رہ تجھکو بتاؤں سحر سے گورہ
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام
قمری اُسے سرو نے بنایا
شب کو اُسے آدمی بنائی
دمساز تھی وقت خاص اُسکی
حسن آرا کو وہ کل سمجھائی
دیکھا تو مجسّم آدمی زاد
غصّہ غضب اُس پری کو آیا
آتشکدے میں جلاؤ اسکو
تقدیر کے سینے کار خانے
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ
بوتے میں تھا شکل نقرۂ خام
فردوس میں آ لیکے اُسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا
بولی کہ یہ چور ہے ہمارا

قابل یہ جلانے کے ہے فاسق
روح افزا کا ہوا ہے عاشق

بولی وہ بکاؤلی کہ قربان
یہ کون سی فہم ہے بُجی جان

پیاری کا جو اپنے ہو پیارا
کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارا

حسن آرا نے کہا بجا ہے
تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے

بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار
تب عیب نہ تھا تو اب ہے کیا عار

کیا کہتی وہ دم بخود رُسا کی
سوچی سمجھی رضا خدا کی

مرسوم تھے جسطرح کے انداز
شادی کا خوشی خوشی کیا ساز

دو ساز طرب ملے خوش آہنگ
دو راز ادب کھلے بصد ننگ

شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور
فردوس سے گھر کو آئی وہ حور

گلزار جو اُس زمیں میں آکر
آباد ہوئی وہ یاسمن بر

حاصل ہوئی اُن گلوں کو بیخار
سیر شب زلف و صبح رخسار

جس طرح اُنھیں بہم ملایا
بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

تاریخ اختتام تصنیف این کتاب از مصنف

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
گلزار نسیم نام بنہاد

بشنید و نوید ہاتفے داد
توقیع قبول را زنیش باد

۱۲۵۴ھ

باہتمام حاجی حافظ خواجہ قطب الدین احمد پروپرائٹر

نامی پریس لکھنؤ میں چھپی

مارچ ۱۹۲۹ء

"غزل اردو شاعری کی آبرو ہے"

عبدالمجید شاہد

"غزل ریزہ کاری نہیں مینا کاری ہے"

نامی پریس لکھنؤ

میں ہر علم و فن کی کتابیں برائے فروخت موجود رہتی ہیں
فہرست طلب فرمایئے اور ہر قسم کی چھپائی کا کام بحسن و خوبی
انجام دیا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں اسی پیمانہ پر نہایت
حسن و خوبی سے چھاپی گئی ہیں حسب ضرورت طلب فرمایئے

دیوان غالب مع مقدمہ مختصر حالات تبصرہ و تنقید و فوٹو غالب مجلد ۱

دیوان ذوق ۔ مع مقدمہ مختصر حالات تبصرہ و تنقید ۔ ۱

مسدس حالی مع مقدمہ مختصر حال اقتباسات و فوٹو حالی مجلد ۵ ۔ ۶

مثنوی میر حسن مع مقدمہ و فوٹو ۹

المشتہر خواجہ قمر الدین احمد مہتمم نامی پریس لکھنؤ